ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

۳۱ر اگست ۱۹۹۲ء

سیاست خلافت ... خلافت کے آئینی ڈھانچے پر دوسرا مذاکرہ

☆ اتحادوں کی سیاست سے ملک کا کبھی بھلا نہیں ہوا

ایک فاضل معترض کے جواب میں ایک کارکن کی گذارشات

سیاستِ خلافت

لاہور میں

نظامِ خلافت

کے

آئینی و دستوری

ڈھانچے کی

بحث پر

دوسرا مذاکرہ

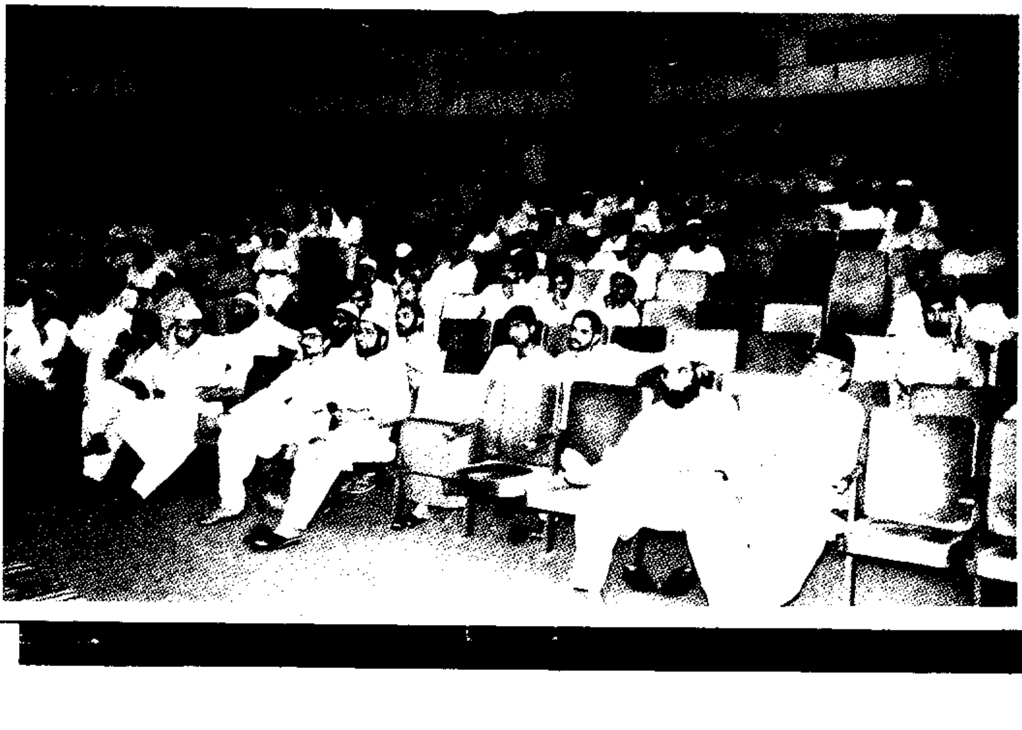

آوازِ دوست

"ہم بڑے ہی بودے ہیں ' نرے ڈرپوک"

سال رواں کے آغاز میں بھی مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے حسب معمول قرآنی محاضرات کا اہتمام کیا تھا جو بڑی شان اور بہت وقار کے ساتھ قرآن آڈیٹوریم میں منعقد ہوئے لیکن خلاف معمول اس بار صرف ایک دانشور کو بطور خاص لندن سے مدعو کر کے امت مسلمہ کے مرض کی تشخیص اور علاج پر متعدد لیکچر دینے کی زحمت دی گئی ۔ یہ دانشور معروف نو مسلم جناب چارلس گائے ا-ٹن تھے جن کا اسلامی نام حسن عبدالحکیم ہے ۔ ان کی طرف سے ۶ر اگست کو لکھا ہوا ایک ذاتی خط میزبان انجمن کی مجلس منتظمہ کے ایک محترم رکن کو موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے بھی بوسنیا کے مسلمانوں پر اپنے انداز میں گویا مرثیہ کہا ہے ۔ آپ بھی ان کی آواز میں اپنی آواز شامل کر کے یہ مرثیہ پڑھئے کہ غیرت و حمیت سے ہاتھ دھو کر اب ہم "مراثی" ہی تو ہو گئے ہیں --- (مدیر)

As I am sure you can guess,we are all of us deeply concerned and upset by events in Bosnia. Some of my friends are organising a big "rally" in Trafalgar Square on Saturday. This helps us to feel we are trying to do something,but I am afraid the practical effects may not amount to much. The need is for immediate,effective help for the Bosnian Muslims; there is talk and then more talk,while the Bosnian Muslims (like those in Kashmir!) are tortured and slaughtered. I wonder if people in Pakistan feel equally strongly,or does Bosnia seem too far away to be of such concern? The bitter joke in the British and French press is that,if only there were a gush of oil in just one place in Bosnia,the West would immediately leap into action. I am very disappointed in the Turks. They could have armed the Muslims without running any serious danger to their own interests. A couple of days ago the Turkish Foreign Minister was on television,urging the United Nations to act,without any suggestion that his country might be capable of acting on its own (which would at once have forced others into action). It seems to me that all the Muslim governments - or perhaps I should say "the governments of Muslim countries" - have one characteristic in common: cowardice! There is a complete absence of that spirit of daring (based,no doubt,on a genuine trust in Allah ta'ala) which made the early Muslims so effective and so successful. We really are timid,feeble people in comparison.

Will you please give my warm greetings to Drs. Israr and Absar. I hope all goes well with you.

With best wishes and Greetings of Peace,

Sincerely,
Hasan [illegible]

" آپ کو خوب اندازہ ہوگا کہ بوسنیا کے حوادث نے ہم سب کو گہری فکر مندی میں مبتلا کردیا ہے ۔ میرے کچھ دوست اس ہفتے کے روز (لندن کے) ٹرافلگر سکوئر میں ایک بڑے مظاہرے کا اہتمام کررہے ہیں جس سے یہ خوش گمانی تو پیدا ہوجاتی کہ ہم کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش میں ہیں لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ اس کے عملی اثرات نہ ہونے کے برابر ہوں گے ۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ بوسنیا کے مسلمانوں کو فوری طور پر موثر امداد پہنچائی جائے لیکن یہاں باتیں اور پھر مزید باتیں ہیں جبکہ بوسنیا کے مسلمان (مسلمانان کشمیر کی طرح) عذاب برداشت کررہے ہیں اور ذبح کئے جارہے ہیں۔ کیا پاکستان کے مسلمانوں کے جذبات بھی اتنے ہی شدید ہیں یا انہیں بوسنیا اتنی دور لگتا ہے جہاں سے پریشانی ان تک پہنچ نہیں پاتی ؟۔ برطانوی اور فرانسیسی اخبارات و جرائد میں یہ طنزیہ مزاح چل رہا ہے کہ بوسنیا میں کسی ایک جگہ سے بھی تیل ابل رہا ہوتا تو مغرب کبھی کا میدان میں کود چکا ہوتا ۔ مجھے ترکوں نے بہت مایوس کیا ہے' وہ اپنے مفادات کے لئے کوئی قابل ذکر خطرہ مول لئے بغیر (بوسنیا کے) مسلمانوں کو مسلح کرسکتے تھے۔ ابھی چند روز پہلے ترکی کے وزیر خارجہ ٹیلی ویژن پر نمودار ہوئے ' وہ اقوام متحدہ سے اس امکان کا ذکر کئے بغیر' مداخلت کا مطالبہ کررہے تھے کہ ان کا اپنا ملک اپنے طور پر بھی کوئی قدم اٹھا سکتا ہے (جس کے باعث دوسروں کو بھی کچھ نہ کچھ کرنے کی مجبوری لاحق ہوجاتی) مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ سب مسلم حکومتوں ' یا شاید یوں کہنا موزوں ہوگا کہ مسلم ممالک کی حکومتوں کے کردار میں ایک وصف مشترک ہے اور وہ ہے بزدلی !۔ جرات و ہمت کی وہ روح بالکل ہی غائب ہوگئی ہے (جو بلاشبہ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد پر مبنی ہوتی ہے) جس نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو اس قدر موثر اور کامیاب و کامران بنادیا تھا۔ ہم تو ان کے مقابلے میں بہت ہی بودے اور محض ڈرپوک ہیں"

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۳۲

۳۱؍ اگست ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرتعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت —— ۱۶؍ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش —— ۱۲؍ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ —— ۱۷؍ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا —— ۲۰؍ 〃 〃

افتتاحیہ

کیا سچ مچ!

اخباری رپورٹ کے مطابق اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیراعظم میاں نواز شریف نے اس اتوار کو دارالحکومت اسلام آباد میں متحدہ علماء کونسل کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی پہلی دو روزہ اسلامی سکالرز کانفرنس میں اپنے اس عزم کا اعلان کیا ہے کہ حکومت قرآن و سنت کو ملک کا بالاتر قانون بنانے کے لئے بہت جلد پارلیمینٹ میں ترمیمی بل پیش کرے گی اور ساتھ ہی یہ یقین بھی ظاہر کیا ہے کہ کوئی ایک رکن اسمبلی بھی اس کی مخالفت کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر ہمت انہوں نے یہ فرما کر کی ہے کہ سرمایہ دارانہ سسٹم کی جگہ ملک میں اسلام کا اقتصادی نظام رائج کیا جائے گا۔

اس نیک ارادے پر ہدیہ تہنیت اور مبارکباد کے سوا اور کیا پیش کیا جاسکتا ہے جس کا اظہار تو بہت دیر سے کیا جارہا ہے لیکن تکمیل میں اب تک نہ جانے کونسی مصلحتیں حائل رہیں تاہم چند باتیں یاددہانی کے درجے میں ان کے گوش گزار کرنے میں کچھ حرج بھی نہیں۔ پہلی بات تو یہ سوال ہے کہ قرآن و سنت بالاتر قانون ہوگا یا بالاترین ... آپ کے لاڈلے دستوری ڈھانچے سے بھی بالا' آپ کے پیارے عدالتی نظام سے بھی بالا' اس راج ولارے "پروٹوکول" سے بھی بالا جس کے بغیر حکمرانوں کو سانس لینے میں بھی دشواری ہوتی ہے!۔ آپ کو اندازہ بھی ہے کہ جس غزل کا مطلع یہ ہے وہ مقطع تک پہنچتے پہنچتے کیا غضب ڈھائے گی؟۔

اور اسلام کے اقتصادی نظام کو رائج کرنے کی بات آپ نے سوچ سمجھ کر کی ہے یا بس برائے وزن بیت علمائے کرام کو خوش کر کے بھیجنے کی غرض سے کہہ دی؟۔ ہمارے لائق مذہبی لیکن غیر بنیاد پرست وزیراعظم کو اندازہ بھی ہے کہ وہ بھڑوں کے کس چھتے میں ہاتھ ڈال رہے ہیں!۔ موجودہ اقتصادی نظام کی بہتی گنگا میں خود انہوں نے بھی صرف ہاتھ نہیں دھوئے' غوطے لگائے ہیں اور اس کے "فوائد" سے ان سے زیادہ کون واقف ہوگا۔ ان کے "رفقائے کار" میں اور اس اسمبلی میں بھی جس کے بارے میں انہیں خوش فہمی ہے کہ مجوزہ بل کی (اگر ایسی کوئی تجویز واقعی موجود بھی ہے) مخالفت نہ ہوگی' عظیم اکثریت جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور نودولتیوں کی ہے اور وہ ایسے بھی بھولے بادشاہ نہیں کہ یہ تک نہ جانتے ہوں کہ اسلام کا بابرکت اقتصادی نظام اس استحصال کی جڑ کاٹ دے گا جس کا پھل یہ کھا رہے ہیں اور ان کے آباء واجداد کھاتے آئے ہیں۔ اسلام تو عدل کی وہ میزان نصب کردے گا جس میں تل کر ملنے لگا تو ان سے بڑا "محروم" کوئی نہ ہوگا۔

وزیراعظم نے اسلامی سکالرز کانفرنس میں جن عزائم کا اظہار کیا ہے' اس قبیل کے عزائم ٹھنڈے ٹھنڈے پورے ہوتے تاریخ انسانی میں تو مذکور نہیں۔ یہ انقلاب ہی کے بس کا روگ ہے تاہم اگر ہمارا یہ باہمت حکمران تاریخ کے دھارے کا رخ موڑنے کی ہمت رکھتا ہے تو بسم اللہ ... تری آواز مکے اور مدینے!۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہوں گی۔○○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۲۲-۱۲۳)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے اس فضل کو جو میں نے تم پر کیا اور اس بات کو کہ میں نے فضیلت دی تمہیں اہل عالم پر ○

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان کسی کے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول ہوگا' اور نہ اس کو کوئی شفاعت نفع پہنچائے گی' اور نہ ان کی کوئی مدد ہی کی جاسکے گی ○

(بنی اسرائیل یعنی یہود سے براہ راست خطاب کا آغاز سورۃ البقرہ کے پانچویں رکوع سے ہوا تھا' اس کے بعد چودھویں رکوع کے اختتام تک مسلسل دس رکوع تمامتر گفتگو بنی اسرائیل ہی سے ہے۔ ان دس رکوعوں میں سے پہلے رکوع میں دعوتی رنگ غالب تھا لیکن پھر اس کے بعد یعنی سورۃ البقرہ کے چھٹے رکوع کے آغاز سے اسلوب کلام میں ایک نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے۔ اللہ کے اس خصوصی فضل و کرم کا اجمالاً ذکر کرنے کے بعد کہ جو ان پر ہوا' ان کے قومی جرائم اور ان کی سیہ کاریوں کا ذکر ملامت اور سرزنش کے انداز میں کیا گیا' گویا ان پر بحیثیت قوم فرد جرم عائد کردی گئی۔ یہ انداز چودھویں رکوع کے اختتام تک برقرار رہا اور اب پندرھویں رکوع کے آغاز میں ایک بار پھر اللہ کے اس خصوصی فضل و انعام کا حوالہ دے کر جو اس نے بنی اسرائیل پر فرمایا' گویا اس پوری بحث کے خاتمے کا اعلان کردیا گیا۔ نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ چھٹے رکوع کی ابتدائی دو آیات جہاں سے اس سلسلہ بحث کا آغاز ہوا تھا' اور پندرھویں رکوع کی یہ ابتدائی دو آیات یعنی آیت ۴۷ اور ۴۸ جہاں آکر یہ سلسلہ کلام اختتام پذیر ہوا' بالکل ہم مضمون ہیں یہاں تک کہ الفاظ بھی قریباً ایک جیسے ہیں ------ ان دونوں آیات کی تشریح چونکہ آیت ۴۷ اور ۴۸ کے ذیل میں کی جاچکی ہے جو ۱۵ر مئی ۱۹۹۱ء کے "ندا" میں طبع ہوئی تھی لہٰذا یہاں صرف ترجمے پر اکتفا کیا جارہا ہے ---- یہود کے ساتھ اتنی مفصل اور براہ راست گفتگو کا اصل معاملہ یہ ہے کہ انہیں بتایا جارہا ہے کہ اللہ نے انہیں فضیلت کا جو مقام عطا کیا تھا کہ ایک طویل عرصے تک نبوت و رسالت کا سلسلہ انہی میں جاری فرمایا' ان کے جرائم کی پاداش میں اب انہیں اس مقام سے معزول کیا جارہا ہے اور یہ فضیلت ان سے سلب کر کے بنو اسماعیل کو عطا کردی گئی ہے جن میں اللہ نے اپنے آخری نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔ اور اب ایک نئی امت کی تشکیل کا وقت آگیا ہے جو قیامت تک اس روئے زمین پر اللہ کی نمائندہ امت کے طور پر دین حق کی علمبردار ہوگی!)

جوامع الکلم

"میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے اس کے جس نے خود انکار کیا"۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسول ایسا کون ہے جو انکار کرے؟ فرمایا "جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا!"

(اطاعت رسولؐ کی اہمیت کی وضاحت میں اس سے زیادہ موثر اور دلپذیر پیرایہ بیان ممکن نہیں!---- اطاعت رسولؐ ہی درحقیقت جنت میں داخلے کی کلید ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی کرے وہ اپنی جگہ خواہ کتنا ہی پارسا اور کیسا ہی صاحب علم و فضل بنا پھرتا ہو از روئے فرمان نبویؐ جنت میں داخلے سے محروم رہے گا۔ رسولؐ کی نافرمانی کرنا گویا اس امر کے مترادف ہے کہ اس نے خود جنت میں داخلے سے انکار کیا!)

(صحیح بخاری بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)

☆ جتوئی کی وزارت عظمیٰ کے لئے نیا زینہ!
☆ پیرزادہ نے بھٹو سے غداری کی تھی
☆ کھر کے پاس کوئی گیدڑ سنگھی ہے؟
☆ معراج اور فتح یاب کھوٹے سکے ہیں

اتحادوں کی سیاست سے ملک کا کبھی بھلا نہیں ہوا

عبدالکریم عابد

نوابزادہ نصراللہ کے نئے اتحاد میں مضمر خرابی کی پرانی صورتوں پر ایک طائرانہ نظر

نواب زادہ نصراللہ نے قوم کو ایک نئے اتحاد کا تحفہ دیا ہے لیکن اس اتحاد کے سارے چہرے بہت پرانے اور ہمارے دیکھے بھالے ہیں۔ ان میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی سیاست صاف، سیدھی اور سچی سیاست رہی ہے۔ خود نواب زادہ صاحب کا بڑا احترام اس لئے ہے کہ وہ ہر آمریت کے مقابلے میں جمہوریت کا علم لے کر ڈٹ گئے اور وقتاً فوقتاً مختلف مکاتب فکر اور اہم شخصیات کا متحدہ محاذ بنانے میں بھی کامیاب رہے لیکن ان محاذوں سے پاکستان کو فائدہ نہیں پہنچا کیونکہ ہر اتحاد بے اصولی، موقع پرستی اور منفی اساس پر تھا۔

اب جو نیا اتحاد بنا ہے اس کے پیچھے اہم شخصیت اکبر بگٹی کی ہے۔ نواب اکبر بگٹی اسکندر مرزا کی کابینہ میں وزیر مملکت برائے امور دفاع تھے۔ مرزا صاحب نے ان کے سپرد یہ کام تفویض کیا تھا کہ وہ خان قلات کو بغاوت پر اکسائیں اور یہ یقین دلائیں کہ بغاوت کو کامیاب بنادیا گیاتو حکومت قلات کی خود مختاری کو تسلیم کرلے گی۔ مرزا صاحب کا اصل مقصد ایسے حالات پیدا کرنا تھا کہ مارشل لاء کا جواز نکل آئے۔ ایک تو انہوں نے کمیونسٹ پارٹی سے رابطہ قائم کیا کہ وہ سیکولر آدمی ہیں، سیکولر انقلاب چاہتے ہیں اس لئے ترقی پسندوں کو ان سے تعاون کرنا چاہیے اور پارٹی کے ٹریڈ یونین یونین محاذ کو مزدوروں کی ہنگامہ آرائی کے لئے استعمال کرنا چاہیے۔ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی میں جب اسکندر مرزا کے پیغام پر غور کیا گیا تو سب اس کے حامی تھے، صرف دو افراد نے مخالفت کی۔ ایک سوبھوگیان چندانی، دوسرا حسن ناصر مرحوم، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ پہلے بھی پارٹی پنڈی سازش کیس میں ملوث ہو کر اپنا منہ کالا کرچکی ہے۔ اب اسکندر مرزا کے نئے جال میں ہمیں پھنسنے کی ضرورت نہیں لیکن ان کی نہیں چلی اور مزدوروں نے بڑے بڑے جلوس نکالنے شروع کردئے۔

ادھر بلوچستان میں اکبر بگٹی نے نہ صرف نواب قلات بلکہ تمام بلوچ سرداروں کو سبز باغ دکھائے اور مارشل لاء کے لئے راستہ صاف کیا۔ جماعت اسلامی کوئٹہ کے امیر مولانا عبدالعزیز مرحوم کا کہنا تھا کہ مینگل، مری، بزنجو شریف آدمی ہیں لیکن وہ اکبر بگٹی کے ہاتھ میں کھیلتے ہیں اور فساد کی جڑ بگٹی ہے۔ بگٹی صاحب بلوچ قوم پرستی کے بڑے دعوے کرتے تھے لیکن جب بھٹو نے بلوچستان کی منتخب حکومت کے خلاف کارروائی کی تو سرحد کے مولوی لوگوں نے تو اس بطور احتجاج حکومت سے استعفیٰ دے دیا مگر اکبر بگٹی بھٹو صاحب کے گورنر نامزد ہوگئے، عراق کے سفارت خانہ سے اسلحہ برآمد کروالیا اور بلوچستان میں منتخب حکومت کی نعش پر اور اپنے پرانے دوستوں اور عقیدت مندوں کو جیلوں میں ڈال کر صوبہ میں گورنری فرماتے رہے۔ پھر جب پی این اے کی تحریک چلی تو یہ مال روڈ لاہور پر تحریک نظام مصطفیٰ کے جلوس میں آگے آگے تھے۔ ہوٹل پرل کانٹی نینٹل میں انہوں نے مجھ سے کہا کہ لوگوں کا جذبہ ایمانی دیکھ کر ان کا ایمان بھی جاگ گیا ہے اور اب پاکستان میں نظام مصطفیٰ واقعی نافذ ہو کر رہے گا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بگٹی صاحب کی کامیاب اداکاری ہے یا واقعی وہ اتنے سادہ لوح ہیں۔ بہرحال یہ دور گزر گیا، ضیاء الحق حکمران بن گئے، اتحاد ٹوٹ گیا اور ادھر ایران میں نئی ہلچل برپا ہوئی۔ اکبر بگٹی شیزان کی محفلوں میں پیش گوئی کرتے تھے کہ پاکستان ختم ہے۔ ادھر سے ایران آئے گا، ادھر سے افغانستان اور کمیونسٹ فتح یاب رہیں گے۔ اپنی گورنری کے زمانے میں بھی وہ پاک بھارت کنفڈریشن کی وکالت کرتے رہے

تھے۔ شیزان میں ایک بار ان سے اس ناچیز نے عرض کیا کہ ایران سے جو انقلاب آرہا ہے وہ اسلامی ہے اور افغانستان بھی کیمونسٹوں کا قبرستان بننے والا ہے کیونکہ امریکہ روس کو پھنسانے کے لئے افغانستان میں جال اور دانہ ڈال چکا ہے۔ روس کی حرص اسے پھنسا کر رہے گی۔ یہ کام امریکہ نے افغانستان میں ٹراٹسکی گروپ کے ذریعے کیا ہے جن کے مراسم افغان لیفٹ سے ہیں۔

یہ دور بھی گزر گیا' پاکستان سلامت رہا اور افغانستان ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ضیاء الحق کے دور میں بگٹی صاحب کی مراد بر نہیں آئی ۔ پھروہ بے نظیر کے ساتھی بن گئے۔ ان سے کھٹ پھٹ ہوگئی اور ان کی حکومت توڑ دی گئی تو وہ نواز شریف کے پکے حلیف ہوگئے لیکن وزیراعظم بننے کے بعد نواز شریف نے ان سے بے رخی برتی ۔ اب اس صدمے اور غصے کی آگ میں جل رہے ہیں اور اس کا بدلہ لینے کی ٹھان رکھی ہے۔ اصول' نظریات' اقدار کسی سے نہ پہلے ان کا تعلق تھا نہ اب ہے۔ صرف مخصوص مفادات ہیں اور ایک قبائلی سردار کی انا ہے جو کسی سے بھی راضی نہیں رہ سکتی مگر صدر اسحاق کے خاص آدمی بنے ہوئے ہیں اور جوڑ توڑ میں مہارت رکھتے ہیں۔

اس اتحاد کے ایک اور اہم رکن غلام مصطفیٰ کھر ہیں۔ بھٹو نے انہیں فرش سے عرش پر پہنچایا اور انہیں اس لئے ترجیح دی کہ ٹھیٹھ جاگیردارانہ انداز میں پولیس سٹیٹ چلانے کے لئے انہیں کھر کی طرح کے لوگ درکار تھے جو ضمیر سے عاری ہوں اور ہر کام کرسکیں۔ انہوں نے ہر کام کیا بھی ' پھر چند جنرلوں کے چکر میں آکر بھٹو کے مخالف ہوگئے مگر اپنی بزدلی کی وجہ سے جلد ہی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور دوبارہ بھٹو کی اطاعت کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیا۔ پی این اے کی تحریک کے دوران از سرنو بھٹو کے منظور نظر ہوگئے اور سڑکوں ' گلیوں ' کوچوں پر پی این اے کے لوگوں سے لڑنے کے لئے آدمی اور اسلحہ جمع کرنے لگے۔ بھٹو کا اقتدار ختم ہوا تو فوجیوں کو جھانسہ دیا کہ وہ لندن سے بھٹو کے جرائم کے بارے میں خاص دستاویزات لاسکتے ہیں۔ اس طرح لندن نکل گئے ۔ حکومت کا تختہ الٹنے کی ایک سازش کی' اس میں بھارت کے ساتھ ان کی ساز باز تھی۔ مشہور کیمونسٹ دانشور کاظم رضا نے وعدہ معاف گواہ بن کر اس سازش کا پول کھول دیا۔

اس مقدمے میں چند فوجی افسروں کو سزا بھی ہوئی لیکن کھر ملک سے باہر تھے اور ملک میں آتے ہی نہیں تھے کہ فوج پکڑ لے گی۔ فوج بھی انہیں معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھی مگر پھر ایک خاص شان سے پاکستان آئے' وزیر بنے۔ کبھی بے نظیر کے حامی' کبھی مخالف نگران وزیراعظم جتوئی کی کابینہ میں وزیر بنے رہے۔ آج کل ایوان صدر کی سمت اپنا قبلہ بنا رکھا ہے۔

تیسرے صاحب غلام مصطفیٰ جتوئی ہیں۔ بہت محترم شخصیت ہیں' حقیقت پسند ہیں' تعصب ان میں ذرا بھی نہیں۔ سب کو ساتھ لے کر چل سکتے ہیں۔ وزیراعظم کے عہدہ کے لئے ہمیشہ بے چین رہے اور وزارت عظمیٰ کی منزل عین اس وقت دور ہوگئی جبکہ معاملہ لب بام آگیا تھا۔ جتوئی کے مقابلے میں جی ایم سید گروپ نے ضیاء الحق صاحب سے مراسم بڑھا لئے تھے۔ بروہی ' علی احمد تالپور ' سومرو' غوث علی شاہ نے جتوئی کی کامیاب طریقے پر کاٹ کی۔ پیرپگاڑا بھی ان کی کاٹ میں رہتے تھے اس لئے بات بنی نہیں ۔ پھر ضیاء صاحب کو یہ شبہ تھا کہ جتوئی صاحب نے ایم آر ڈی کی تحریک میں بھارت کی مدد حاصل کی ہے۔ وہ ان پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھے اور ان کے مقابلے میں جونیجو انہیں ایک مرد شریف نظر آیا۔ جتوئی صاحب کی صفات عالیہ سے انکار نہیں ہے لیکن ان کی صوبہ میں کوئی جڑ بنیاد نہیں۔

جتوئی صاحب نے سندھ میں الیکشن ہار کر کھر صاحب سے کوٹ ادو کی سیٹ لی اور اس واقعہ کے بعد تو وہ سندھ میں بالکل ہی نکو بن گئے ہیں۔ ویسے ان کی پیشانی پر ایک خاص طرح کی چمک ہے اور وہ ملک کے وزیراعظم ہوسکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ نیا اتحاد ان کی وزارت عظمیٰ کے لئے ایک تیاری ہو لیکن ان کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں ہوگی۔ وہ اتنی جراءت کا مظاہرہ بھی نہیں کرسکیں گے جو کہ جونیجو نے کی تھی اور سندھ سے ایک کٹھ پتلی وزیراعظم سندھ میں مزید خرابی پیدا کرے گا۔ اس کا رد عمل پنجاب' سرحد بلوچستان میں بھی برا ہوگا۔ فوج اگر یہ سمجھتی ہے کہ کسی کٹھ پتلی کو لاکر وہ اپنی پالیسیوں کو چلاسکیں گی تو یہ اس کی بھول ہے۔ کٹھ پتلی لانے سے یہ بہتر ہے کہ وہ خود ہی آجائیں یا پھر اصل سیاسی طاقتوں سے سمجھوتہ کرلیں ' کچھ انہیں قائل کریں اور کچھ ان سے قائل ہوں۔

سندھ کی طرح پنجاب میں بھی جتوئی صاحب اپنی نیشنل پیپلزپارٹی کو بنانے میں ناکام رہے اور جو سیاستدان عوامی محاذ پر پٹ جائیں وہ قومی محاذ پر قیادت کے تاج کے نہ حقدار ہیں نہ وہ قیادت کرسکتے ہیں۔ جتوئی صاحب نگران وزیراعظم تھے' اس کے باوجود ان کے زیر اہتمام انتخابات میں ان کی پارٹی کا حشر برا ہوا۔ انہیں سیاست کرنے کا حق ضرور ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ دیگر جاگیرداروں کی طرح جتوئی صاحب کی سیاست بھی اصول اور نظریہ کی سیاست نہیں ہے اور منافقت کی سیاست سے اب پاکستان کا بھلا نہیں ہوسکے گا۔

نواب زادہ صاحب کے ساتھ معراج محمد خاں اور فتح یاب بھی ہمیشہ رہے ہیں۔ ان کی جماعتیں تو کچھ بھی نہیں ہیں لیکن شخصی اہمیت بھی کچھ نہیں۔ یہ حضرات انٹلی جنس ایجنسیوں کے زور پر ملک میں پروچائنا سیاست کرتے رہے جس میں ایک خاص قسم کی جارحیت تھی لیکن چین خود اپنے راستے سے منحرف ہوگیا اور ان کے ماؤ نظریات' ماؤ ٹوپی اور ماؤ لباس سب ردی کی ٹوکری کے نذر ہوگئے۔ یہ لوگ روسی سے چینی بنے تھے' پھر دوبارہ روسی ہوگئے۔ اب حیران ہیں کہ کیا بنیں! سیاست میں تشدد کو رواج دینے میں معراج کا بڑا حصہ ہے لیکن انہوں نے بندوق کی نوک پر انقلاب لانے کے فلسفہ کی تلقین کرتے وقت یہ نہیں دیکھا کہ بندوق ان کے ہاتھ میں نہیں ' دوسرے کے ہاتھ میں ہے۔ انہیں انٹلی جنس ایجنسیوں نے فقط ایک کھلونا قسم کا طمنچہ دیا ہے ' جس سے وہ نہ تشدد کا بازار گرم کرسکتے تھے نہ جلاؤ گھیراؤ میں کامیاب ہوسکتے تھے۔

معراج محمد خان کے مخلص ہونے میں اور میدان میں آکر دلیرانہ جدوجہد کرنے میں کوئی شبہ نہیں۔ ان کی اس خوبی کا ہر شخص معترف ہے مگر روسی چینی کیمونزم کی شکست نے انہیں بے وقعت کردیا ہے اور یہ کھوٹے سکے کسی کام نہیں آئیں گے۔ فتح یاب کا تو معاملہ ہی اور ہے 'وہ جدوجہد کے میدان میں کبھی نہیں رہے۔ محفلوں میں دانشورانہ بحث مباحثوں کے آدمی ' ہیں ان کے ذریعے کیا سیاست ہوسکے گی۔ حفیظ پیرزادہ بھٹو کے ساتھی تھے 'آخری وقت میں فوجی جنرلوں سے مل گئے تھے۔ بھٹو کو بھی اس کا پتہ چل گیا تھا۔ بعد

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

لاہور کی ایک تقریب میں کام کی کچھ باتیں

"وہ پاکستان کا ماؤزے تنگ بن سکتا تھا' نہ بنا
یہ عمر بن عبدالعزیزؒ ثانی ہو سکتے تھے' نہ ہوئے"

تحریک پاکستان کی روح کا احیاء وقت کی ضرورت ہے

ہم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ اس نعمت خداوندی کے اہل نہ تھے

رپورٹ: سردار اعوان

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لئے موقع و محل کے استعمال میں خصوصی مہارت حاصل ہے۔ ان کی بات کسی کم پڑھے لکھے عام آدمی کے لئے اہمیت اور دلچسپی کی حامل ہوتی ہے تو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ اور دانشور شخص بھی اس کے وزن کو پوری طرح محسوس کرتا ہے۔ لوگ کئی کئی گھنٹے ڈاکٹر صاحب کے مفصل درس اور خطاب بڑے سکون سے سنتے ہیں لیکن وہی بات اجمال میں ڈاکٹر صاحب مجلس کے ماحول کی مناسبت سے چند منٹوں میں بھی بخوبی بیان کر سکتے ہیں۔ چند افراد کی نشست ہو یا حاضرین کی تعداد ہزاروں میں ہو' کسی جلسہ عام کا ماحول ہو یا کوئی خالص دینی تقریب ہو' اجتماع عام ہو یا خاص سامعین کا حلقہ' لوگ ڈاکٹر صاحب کی بات کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتے۔

چند روز پیشتر "تحریک کارکنان پاکستان" کے طارق نذیر صاحب ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے تشریف لائے تو استنبول سے واپسی کے بعد ڈاکٹر صاحب کو شدید بخار تھا۔ مگر طارق نذیر صاحب نے چند ہی روز بعد اپنی تنظیم کے زیر اہتمام طے شدہ جلسہ میں ڈاکٹر صاحب کو مدعو کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ تھوڑی دیر کے لئے ڈاکٹر صاحب کا وہاں آنا ہی کافی ہو گا۔ طارق نذیر صاحب کی محبت اور خلوص کے پیش نظر بعد ازاں ڈاکٹر صاحب ۱۸ راگست کو اس جلسہ میں اس کے باوجود تشریف لے گئے کہ طبیعت ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئی تھی۔ جلسہ کے صدر بلوچستان کے گورنر جناب جوگیزئی اور مہمان خصوصی وزیر اعلیٰ پنجاب' غلام حیدر وائیں تھے جن کی بدولت جلسہ میں سیاسی ماحول کا غلبہ ہو جانا قدرتی بات تھی۔ نواز شریف زندہ باد اور مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے بھی غیر متوقع نہ تھے' مگر سب سے آخر میں جب ڈاکٹر صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی تو حاضرین پوری طرح ہمہ تن گوش تھے۔

اس ماحول میں بھی جب ڈاکٹر صاحب نے عام روش سے ہٹ کر لوگوں کو حقائق کا سامنا کرنے کا مشورہ دیا تو لوگ اسے قبول کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ میرے نزدیک ڈاکٹر صاحب کا مختصر خطاب بھی ایک معرکہ الآراء تقریر تھی۔ اسے جس طرح اگلے روز قومی اخبارات میں نمایاں طور پر جگہ دی گئی اور انگریزی روزنامہ "دی نیشن" نے خلاف معمول جیسے پورے اہتمام سے' نہ صرف اسے شائع کیا بلکہ سب سے موثر اور ولولہ انگیز خطاب بھی قرار دیا' اس سے میرے خیال کی تائید ہوتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے خطاب کا اپنا انداز اور ایک اسلوب ہے' جس کی اپنی بڑی اہمیت ہے مگر اس موقع پر انہوں نے جس طرح تھوڑے سے وقت میں تمام اہم نکات کو نہایت موثر اور زور دار طریقے سے پیش کیا' وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اس سے پہلے بھی مجھے کئی بار "تحریک کارکنان پاکستان" کی دعوت پر ان کے اجتماعات میں شرکت کا موقع ملا ہے لیکن آج کے اجتماع کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے احیاء کی جانب پیش قدمی شروع ہو چکی ہے جس کی قیام پاکستان کے فوراً بعد شدید ضرورت تھی۔ آپ نے کہا کہ قیام پاکستان میں کار فرما انگریز اور ہندو کی غلامی سے خوف کا منفی جذبہ قیام پاکستان کے ساتھ ختم ہو چکا۔ اسی منفی جذبے کو پروان چڑھا کر پاکستان کی تعمیر و ترقی اور استحکام کی توقعات خام خیالی اور اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ منفی جذبے سے کبھی تعمیر کا کام نہیں ہوتا' صرف تخریب ہوتی ہے۔ تعمیر کے لئے تو مثبت جذبہ درکار ہوتا اور یہ مثبت جذبہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے سوا ہمارے پاس کوئی موجود ہی نہیں۔

اسلام ہی ہماری قومیت کی بھی بنیاد ہے۔ جس کا تصور مفکر پاکستان علامہ اقبال نے دیا۔ قائداعظم نے بھی بار بار اس کا اعلان کیا اور "قرار داد مقاصد" کی صورت میں پوری قوم نے اس کی تائید کی تھی۔ مگر ہم نے تمام اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال کر عملاً اس تصور کی مکمل نفی پر مبنی روش اپنائی جس کے نتیجہ میں قائداعظم کا پاکستان دو لخت ہوا اور بچا کھچا پاکستان ہر نوع کے بحرانوں کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ گویا ہم نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ ہم اس نعمت خداوندی کے اہل نہ تھے۔

قیام پاکستان کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ قائداعظم کا انگریز حکمرانوں' ہندوؤں کی منظم کانگریس جیسی جماعت' نیشنلسٹ مسلمانوں اور علما کے بہت بڑے طبقہ کی بھرپور مخالفت کے باوجود کامیاب ہو جانا معجزہ سے کم نہ تھا جبکہ مسلم لیگ کے بارے میں خود قائداعظم کے الفاظ یہ تھے کہ "میری جیب میں کھوٹے سکے ہیں" اس سے قبل جب وہ مایوس ہو کر واپس انگلستان چلے گئے تھے' انہوں نے علامہ اقبال کو ان کے

ایک خط کے جواب میں لکھا کہ اس قوم کی میں کیسے قیادت کروں جس کے راہنما دن کو مجھ سے مل کر جاتے ہیں اور شام کو وائسرائے کے پاس جا کر ساری باتیں بتا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے قائداعظم کی خصوصی تربیت کا اہتمام فرمایا۔ جس طرح (بلا تشبیہ) بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے حضرت موسیٰ کی پرورش اللہ تعالیٰ نے خود فرعون کے محل کے اندر کردی' بالکل اسی طرح انگلستان میں رہ کر انہوں نے انگریز حکمرانوں کی حکمت عملی کا تجربہ حاصل کیا اور پھر کانگریس میں شامل ہوئے تو ہندو ذہنیت بھی ان پر پوری طرح آشکار ہو گئی جس کے بعد انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمانان ہند کے لئے الگ خطہ زمین حاصل کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی بات کی نشان دہی علامہ اقبال بہت پہلے کر چکے تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر بے معنی نظر نہیں آتا کہ بیسویں صدی کی پہلی چوتھائی میں ایشیا کے مغرب میں "خلافت" کا خاتمہ ہوا اور اسی صدی کے وسط میں مشرق میں اسلام کے نام پر ایک نئی ریاست وجود میں آگئی' بالکل ایسے جیسے پانچ سو سال قبل یعنی پندرھویں صدی کے آخر میں ایک طرف یورپ کے مغرب میں اسلام کا سورج غروب ہوا اور دوسری طرف یورپ کے مشرق میں یہ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ پاکستان کا قیام ایک خاص مقصد کے لئے عمل میں آیا تھا اور وہ مقصد اسلام کی سربلندی تھا' بڑے بڑے محل اور کارخانے تعمیر کرنے کا نہیں۔

یہاں قیادت کے فقدان کا المیہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس ملک میں ایک بہت بڑے شخص کو تاریخ نے موقعہ فراہم کیا تھا کہ چاہتا تو اس ملک کا کم از کم "ماؤزے تنگ" بن جاتا مگر وہ اپنی جاگیرداری کے خول سے باہر نہ نکل سکا۔ اس سے بھی سنہرا موقع ایک دوسری بہت بڑی شخصیت کو ملا جو عمر بن عبدالعزیزؒ کا مقام حاصل کر سکتی تھی مگر اس نے اپنی روش سے کہ "خدا بھی خوش ہو جائے اور بندے بھی ناراض نہ ہوں" اور "یہ بھی راضی رہے اور وہ بھی" --- یہ موقع ضائع کر دیا۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے وزیر اعلیٰ پنجاب کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وائیں صاحب! آپ کا اس حکومت میں خاصا اثر و رسوخ ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے ایسا تاریخ ساز کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ اس ملک سے سود کی لعنت کو فوراً ختم کیجئے۔ کوئی آپ کا ہاتھ نہیں پکڑے گا پوری قوم آپ کا ساتھ دے گی اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ ختم کر کے آپ بہت بڑی سعادت حاصل کریں گے اور اس کی برکات سے قوم کو صحیح راہ میسر آئے گی۔ اربوں روپے ہر سال ملک کے اندر سود خوروں کو دیئے جا رہے ہیں اور یہ قوم سود خوروں کی قوم بن کر رہ گئی ہے جو پاگل پن ہے۔ بنکوں میں موجود تمام سرمایہ منجمد کر کے صرف اصل زر مالکوں کو سہولت کے ساتھ واپس کرنے کی یقین دہانی ضروری ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے زور دے کر کہا۔ "اقتدار اور شہرت کبھی ساتھ نہیں رہتے' بڑے بڑے پھنے خاں آئے اور ہمیشہ کے لئے گم ہو گئے۔ آپ بھی جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے چنگل سے نہ نکل سکے تو یہی کچھ آپ کا حشر بھی ہو گا مگر ڈر ہے کہیں پاکستان کا نام ہی نہ گم ہو جائے جیسے کہ مشرقی پاکستان کا ہو چکا۔ حالات یہاں تک آ چکے ہیں کہ اب اسلام یا سیکولرازم' کسی ایک کا انتخاب ناگزیر ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ منافقت سے کفر بہتر ہے۔ اسلام قبول نہیں تو برملا اس کا اعلان کریں تاکہ جسے اسلام کا کام کرنا ہے' وہ حکومتوں کا آلہ کار بننے کے بجائے اپنا راستہ الگ کرے۔" OO

Rule of Shariat be established: Israr

By Our Staff Reporter

LAHORE–Renowned religious scholar Dr. Israr Ahmad has said Pakistan is presently at the cross-roads from where it can head for complete secularism if a decision to establish the supremacy of Islam is delayed further.

The doctor-turned-scholar had undoubtedly delivered the most impressive and thought-provoking speech at the function organised by Tehrik-i-Karkunan-i-Pakistan at Jinnah Hall on Tuesday.

"It is a good sign that a proposal to enforce Islamic order in the country has come up, though belatedly but I pray to the Almighty that the rule of Shariat be established without any lacuna", he said while urging the rulers also to honour the FSC's historic verdict for abolishing interest from the economy of Pakistan.

Dr. Israr was optimistic that the people of Pakistan would welcome the government decision for a complete switch-over to the Islamic economic system. They would extend their fullest cooperation to the government for this purpose, he added.

" It will be a declaration of cease-fire with Allah the Almighty and I assure you that heavy debt Pakistan is under now will be all cleared if we say goodbye to Western economic system", he said, while calling for the immediate seizure of the assets of those who were charging huge interests.

Pointing to Ghulam Haider Wyne, the chief guest on the occasion, Dr. Israr Ahmad said governments come and go but it was for their misdeeds that they were not remembered for long. "I am afraid you may meet the same fate if you don't come out of the shell of capitalism," he warned Ch. Wyne.

Without naming anyone, he said there was a ruler in Pakistan who would have become Mao Zsetung had he been loyal to Pakistan and there was another who could have been the Hazrat Umer of Pakistan had he been actually committed to the enforcement of Islamic order in the country.

۱۹ اگست کے "دی نیشن" لاہور میں شائع ہونے والی اس خبر میں سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے "دوسرے بڑے آدمی" کے عمر بن عبدالعزیزؒ بننے کے امکان کا ذکر کیا تھا حضرت عمرؓ نہیں۔

استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ
ہر دردمند پاکستانی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے
قیمت ۱۵ روپے
ملنے کا پتہ: انجمن خدام القرآن ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

غصہ کسی فرد پر ہو تو اس کے فکر پر نہ نکالا جائے

یہ فلسفہ انقلاب غلط نہیں صحیح ہے

ایک فاضل معترض کے جواب میں تنظیم اسلامی کے ایک کارکن کی معروضات

خالد محمود عباسی

موقر روزنامہ نوائے وقت میں ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے چند ہفتہ وار کالموں کے ذریعے وہ فلسفہ انقلاب بیان کیا جسے وہ منہج انقلاب نبویؐ قرار دیتے ہیں جس پر اسی اخبار میں محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کی تنقید دو قسطوں میں شائع ہوئی ہے ۔ ان کی تحریر پر حرف آخر تو وہ کالم ہے جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اسی جمعہ کو لکھا اور جسے "ندائے خلافت" کی کسی آئندہ اشاعت میں بھی شامل کیا جائے گا لیکن اس سے پہلے ان نوجوانوں کی بات سننا دلچپی سے خالی نہ ہوگی جنہیں ڈاکٹر اسرار احمد کے فلسفہ انقلاب نے اس درجہ متاثر کیا کہ وہ ان کے قافلے میں شامل ہوگئے ۔ اس سلسلے کی دوسری تحریر اگلے شمارے میں دیکھئے - (مدیر)

پچھلے دنوں موقر روزنامے نوائے وقت میں محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کا مضمون " انقلاب کا غلط فلسفہ" پڑھنے کو ملا جو داعی تحریک خلافت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے فلسفہ انقلاب کے رد میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں موصوف کا جو نقطہ نظر سامنے آیا ' وہ چند در چند مغالطوں کے باعث پیدا ہوا ہے جو انہیں محترم داعی تحریک کے فکر کو سمجھنے میں لاحق ہوئے لہذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مضمون سے ذہنوں میں پیدا ہونے والی الجھنوں کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔

پہلا مغالطہ موصوف کو یہ لاحق ہوا کہ داعی تحریک خلافت نے سیرت النبیؐ سے اخذ کردہ منہج انقلاب کو فرض عین کا درجہ دے رکھا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس مغالطے کی بنیاد پر شرعی و فقہی بحث چھیڑ کر اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انکا یہ جملہ کہ "اہل علم جانتے ہیں کہ اصول فقہ کے قواعد کی رو سے افعال النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محض اباحت ثابت ہوتی ہے وجوب نہیں" اس مغالطے کی عکاسی کرتا ہے۔ اسکے برعکس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ کسی بھی کام کے کرنے کے لئے نبویؐ طریقہ موجب خیر و برکت ہے۔ جس طرح نبی کریمؐ نے ہمیں کھانا کھانے ' پانی پینے اور اٹھنے بیٹھنے کے آداب اور طریقے سکھلائے اسی طرح انہوںؐ نے نظام بدلنے کا طریقہ بھی دیا ہے جسے اختیار کرنا بہر حال فائدہ مند ہے۔ بدرجہ ادنیٰ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کدو کھانا فرض تو نہیں ہے لیکن چونکہ آپؐ نے کھایا اور بڑی رغبت سے کھایا تو ہمارا یقین ہے کہ یہ غذائیت کے اعتبار سے دوسری سبزیوں سے بہتر ہے۔

انقلاب کا جو طریقہ حضورؐ نے اختیار کیا وہ کسی اور طریقے سے بہر حال بہتر ہے اور موجب خیروبرکت بھی ضرور ہو گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا نقطہ نظر معلوم ہونے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے اسے فرض نہیں بلکہ اولیٰ سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ اسی لئے انہوں نے دوسرے طریقہ ہائے کار کو حرام قرار نہیں دیا۔ مزید برآں یہ کہ افعال النبیؐ سے بقول ناقد اباحت لازم ہوتی ہے تو سیرۃ النبیؐ سے اخذ کردہ طریقہ غیر فقہی و غیر شرعی کیسے ہو گیا؟

دوسری ٹھوکر موصوف نے وہاں کھائی جہاں انہوں نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ شاید داعی تحریک خلافت حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ انقلاب کو جوں کا توں بغیر کسی تبدیلی کے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ رقمطراز ہیں "حضور کی بحیثیت نبی ایک کافر معاشرے میں جدوجہد انقلاب کو ڈاکٹر صاحب یا کسی دوسرے امتی کی ایک مسلم معاشرے میں جدوجہد پر قیاس کیا ہی نہیں جا سکتا اور جب یہ قیاس ہی غلط ہے تو اسکے نتائج بھی غلط ہیں"۔ اور اسی غلط فہمی پر قیاس کرتے ہوئے داعی تحریک خلافت کی فکر کے غیر شرعی اور غیر فقہی ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ جبکہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو فلسفہ انقلاب بیان فرمایا ' اس میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ حضورؐ کے دور اور آج کے دور میں حکمرانوں اور رعایا کی طاقت کے توازن میں عظیم فرق واقع ہو چکا ہے اور یہ بھی کہ آپؐ کی جدوجہد مشرکین اور کفار کے خلاف تھی جبکہ ہمیں ایک مسلم معاشرے میں کوشش کرنی ہے۔

اس وقت اور آج کے حالات میں اس فرق و تفاوت کے پیش نظر آج ہم اپنے ہی بھائیوں کے خلاف اس طرح ہتھیار بند نہیں ہو سکتے جس طرح حضورؐ اور انکے ساتھیؓ بدر واحد اور دوسرے مواقع پر ہوئے لہذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم بدلے ہوئے حالات میں نبویؐ منہج انقلاب میں جزوی تبدیلی کریں اور سماجی ارتقاء نے جو سہولت بہم پہنچائی ہے ' اس سے استفادہ کرتے ہوئے موجودہ استحصالی نظام کو اسکی جڑوں سے اکھیڑ دیں اور اسکے تارو پود بکھیر دیں جس طرح استفادہ کیا ایرانیوں نے اور کامیابی حاصل کی ہے شاہ جیسے مضبوط اور جابر حکمران کے خلاف نہتے ہونے کے باوجود۔ اس صورت میں ہم مارنے والے نہیں مار کھانے والے ہونگے۔ اس سوچ کو کسی بھی طرح غیر شرعی اور غیر فقہی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تشدد سہنا کسی فقہ میں جرم نہیں ہے۔ مجرم تو تشدد کرنے والا ہوتا ہے۔ تحریک خلافت نے موجودہ صورت حال کے پیش نظر نبویؐ طریق میں جو جزوی تبدیلی تجویز کی ہے اس سے محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب آگاہ معلوم نہیں ہوتے ۔ لہذا اس ضمن میں انکی پوری سوچ ایک غلط خیال پر استوار ہوئی ہے اور جب اپنی سوچ کا تانا بانا ہی غلط خیال پر بنا جائے تو پوری سوچ کے غلط ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

اسکے بعد فاضل مضمون نگار ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پر قرآن کو چھوڑ کر سیرۃ النبیؐ سے غلط استنباط کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔ اسکے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ حضورؐ کی سیرت دراصل قرآنی تعلیمات ہی کی توضیح و تشریح ہے ۔ آپؐ کی سیرت اور قرآنی تعلیمات میں کامل ہم آہنگی ہے جس کی طرف اشارہ کیا تھا ام المومنین حضرت عائشہؓ نے کہ "کان خلقہ القران"۔ مزید یہ کہ جس تعلیم و تربیت کی طرف ڈاکٹر محمد امین صاحب نے اشارہ کیا اور جو سورہ جمعہ میں ان الفاظ مبارکہ میں مذکور ہے کہ "ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ" تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تربیت یافتہ افراد کو کس کام پر لگایا جائے؟ اس کے جواب

میں حضورؐ کا وہ فرض منصبی پیش نظر رکھا جانا چاہیے جو ماقبل سورہ میں مذکور ہے اور "هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله" کے الفاظ مبارکہ کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسی سورہ مبارکہ کے آخر میں مسلمانوں سے خطاب کر کے فرمایا گیا "کونوا انصار الله" اور مثال میں حضرت عیسٰیؑ کے ساتھیوں کی طرح تم لوگ حضورؐ کے فرض منصبی کی ادائیگی میں انؐ کے اعوان و انصار بن جاؤ۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضورؐ کی سیرت اور قرآن کے فرمودات میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔ دوسری طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ فاضل مضمون نگار جس استنباط کو اپنے مغالطوں کی بنیاد پر غلط قرار دیتے ہیں، ان مغالطوں کے ابطال کے بعد انکا یہ الزام بھی خود بخود غلط ہو جاتا ہے۔

آگے چل کر موصوف نے دین و سیاست کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا جو لطیف انداز اختیار کیا ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں "پچھلی کئی صدیوں سے عوام اور علماء دونوں دین و سیاست کی تفریق کو شعوری یا غیر شعوری طور پر قبول کر چکے ہیں لہٰذا مسلمان عوام علماء اور انکی جماعتوں کی دینی پوزیشن کو قبول کرنے کے باوجود انکی سیاسی کریڈیبلیٹی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں"۔ اس سے انھوں نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ بھی انھی کے الفاظ میں نذر قارئین ہے "اس لئے ناگزیر ہے کہ تعلیم و تربیت اور انقلاب امامت کی جدوجہد کے لئے الگ الگ حکمت عملی اپنائی جائے"۔

یہاں انہوں نے تعلیم و تربیت اور انقلاب امامت کی جدوجہد کے لئے الگ الگ حکمت عملی اختیار کرنے کی جو تجویز دی ہے اسکی بنیاد عوام اور علماء کا دین و سیاست کی تفریق کو شعوری یا غیر شعوری طور پر قبول کر لینے کو بنایا ہے۔ اس کو انہوں نے انتہائی لطیف پیرائے میں اس لئے بیان فرمایا کہ وہ کم از کم قارئین نوائے وقت کے سامنے کھل کر یہ بات نہیں کر سکتے تھے کیونکہ نوائے وقت کا براہ راست تعلق فکر نو کے مصور حضرت اقبال سے ہے اور ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ اس تفریق کے ہرگز قائل نہ تھے بلکہ انکا کہنا تو یہ ہے کہ "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"۔ اس ضمن میں موصوف کی خدمت میں دوسری گزارش یہ ہے کہ جب لوگ کسی ناحق کو شعوری یا غیر شعوری طور پر قبول کرلیں تو کیا انکی قبولیت ہی اسے حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو لوگ بے شک دین و سیاست کی تفریق کا ابطال کریں اور دین و سیاست کی وحدت پر یقین محکم رکھیں۔

اسکے بعد موصوف نے نہی عن المنکر کے حوالے سے ایک طویل بحث کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ نہی عن المنکر کا فریضہ ایک دوسری حدیث (کلکم راع) کی رو سے محض اہل خانہ کی حد تک محدود ہے اور ہر کسی کا لٹھ لیکر دوسروں کے پیچھے پڑ جانا موجب فساد ہے۔ گویا فاسق و بدکار حکمران کے خلاف آواز اٹھانا شرعی طور پر ناجائز ہے۔ اپنے اس استدلال کے لئے انہوں نے اسلاف سے کسی دلیل کو لانے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی بلکہ اپنی سوچ ہی پر اعتبار کیا ہے۔ اس عمل کا موجب فساد ہونا بادی النظر میں درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ اگر ہر فرد اپنے طور پر نہی عن المنکر بالید کا فریضہ انجام دینے لگے تو واقعتہً فساد پھیل جائے گا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اس وجہ سے فاسق و فاجر حکمران کے خلاف بھی خروج ناجائز ہے، انتہائی غلط استنتاج ہے۔ اس ضمن میں امام ابو حنیفہؒ نے مخصوص شرائط کے ساتھ فاسق و بدکار حکمران کے خلاف خروج کو جائز قرار دیا ہے اور ہم ان شرائط کے پورا کرنے کے پابند ہیں ورنہ ہم فساد فی الارض کے مرتکب ہونگے۔

یہی وجہ ہے کہ داعی تحریک خلافت نے اپنے آپ کو فی الوقت نہی عن المنکر باللسان کی حد تک محدود کر رکھا ہے اور وہ مطلوبہ شرائط کو پورا کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ دوسری طرف اگر محترم ناقد کی سوچ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت حسینؓ کا یزید کے خلاف خروج کس زمرے میں آئے گا؟ مزید برآں برعظیم پاک و ہند میں مجدد الف ثانیؒ کی ساعی جمیلہ کو کیا نام دیں گے؟ اور بالخصوص تحریک شہیدینؒ کے محرکین کو کیا فسادی نہ کہیں گے؟ اسی طرح انکا یہ فرمانا بھی محل نظر ہے کہ نہی عن المنکر بالید صرف حکومت کے کرنے کا کام ہے۔ اس لئے کہ حکومتی اہلکار ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو نہی عن المنکر کی بجائے امر بالمنکر کرنے والے ہوں جس طرح ملک خداداد پاکستان میں ریڈیو، ٹی وی اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک عرصہ سے کیا جا رہا ہے۔ اب اگر حکمرانوں کے غلط طرز عمل سے اسلام کی اساسات پامال ہوتی ہوں یا ملک کا سفینہ ڈوبنے کا اندیشہ پیدا ہوتا ہو اور پوری قوم فاضل مضمون نگار کے مشورے پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے اور کوئی قوی آواز بلند نہ کرے تو ۱۹۷۱ء جیسے سانحات بھی ظہور میں آسکتے ہیں۔ چنانچہ ہر شہری کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کو لگام دیئے رکھے جسطرح حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا تھا کہ "لوگو اگر میں سیدھا رہوں تو تم پر میری اطاعت لازم ہے اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم پر مجھے سیدھا کر دینا لازم ہے"۔

جب معاشرے کے کسی طبقے میں فساد پھیلنے لگے اور اسے روکا نہ جائے تو وہ بگاڑ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "اگر کسی جہاز کے نچلی منزل کے مکین پانی کے حصول کے لئے جہاز کے پیندے میں سوراخ کرنے لگیں اور اوپر والے انہیں نہ روکیں تو پورا جہاز ڈوب کر رہے گا"۔

اس پوری بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہی عن المنکر کا فریضہ کسی خاص طبقے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے البتہ اسکی ذمہ داری اصلاً حکومت وقت کے سر ہے لیکن اگر وہ خود منکر میں ملوث ہو تو امت کے اندر ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو اس کام کو کرے۔ ہاں، اگر موصوف واقعتاً یہی سمجھتے ہیں کہ نہی عن المنکر کو اہل خانہ کی حد تک محدود رکھنا چاہیے تو پھر انہیں چاہیے تھا کہ وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مضمون پر نکیر نہ فرماتے کیونکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ان کے اہل خانہ میں سے نہیں ہیں۔

اس مضمون کا دوسرا حصہ جو ۸ر اگست کو شائع ہوا اسکا خلاصہ یہ ہے کہ دینی سیاسی جماعتیں انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو کر توسیع دعوت کا کام کرتی رہیں اور اس عمل کے ذریعے جب انہیں اکثریت حاصل ہو چکے تو انتخابات میں آکر میدان مار لیں۔ جہاں تک انتخابی کشمکش سے علیحدہ ہو کر توسیع دعوت کے کام کی تجویز ہے اس سے ہمیں کامل اتفاق ہے اور بالکل بجا فرمایا ہے ڈاکٹر محمد امین صاحب نے کہ "اہل دین سیاست میں آکر جب ان (امراء اور حکمران طبقوں) کے مدمقابل اور حریف بنتے ہیں اور انہیں انتخابات میں شکست دیکر خود جیتنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس طرح ضد، ہٹ دھرمی اور دشمنی کا سماں بندھتا ہے دعوت تربیت کا ماحول ہی پیدا نہیں ہوتا"۔ لہٰذا ڈاکٹر محمد

امین صاحب کی طرح ہم بھی پہلے مرحلے کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں کہ دینی سیاسی جماعتیں اقتدار کی جنگ سے دست کش ہو کر تعلیم و تربیت کا کام وسیع پیمانے پر شروع کریں البتہ ڈاکٹر محمد امین صاحب کی طرح یہ سمجھنا کہ اس عمل سے اکثریت بدل جائے گی ہمارے نزدیک ناممکن ہے۔ کیونکہ محض دعوت و تبلیغ سے کبھی بھی اکثریت کے قلوب و اذہان تبدیل نہیں ہوتے۔ اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی استحصالی نظام میں اکثریت تو مستضعفین پر مشتمل ہوتی ہے اور مترفین اسکا استحصال کرتے ہیں اور اس اکثریت کو اپنے پنجے تلے داب کر رکھتے ہیں ' اسے طرح طرح کی لوریاں دیتے ہیں اور اسکے لئے نئے سے نیا جال لاتے ہیں۔ کبھی روٹی ' کپڑے اور مکان کا اور کبھی تحریک نظام مصطفیٰ ' اسلامی مارشل لاء اور شریعت بل کا۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اسکو حکمراں کی ساحری

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے داعی اور مبلغ کی محض دعوت و تبلیغ سے غلبہ اسلام نہ ہو سکا بلکہ اسکے لئے قلیل کو کثیر سے ٹکرانا پڑا اور اس قلیل نے جب اپنی قلت کے باوجود عزم مصمم اور نظم کے زور پر کثیر کا سر پھاڑ کر مغز نکال باہر کیا تو تبھی جا کر یہ صورت پیدا ہوئی کہ یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ اس لئے

آج کے اس بگاڑ زدہ معاشرے میں بھی محض دعوت و تبلیغ سے اکثریت کی اصلاح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں معروف کی نسبت منکر کی تبلیغ کرنے والے زیادہ وسائل و ذرائع کے مالک ہیں۔ اس ضمن میں سب سے اہم تر بات وہ قول ہے جو حضرت ابوبکرؓ کی طرف منسوب ہے۔ آپؓ نے فرمایا "لا یصلح اخر هذه الامه الا بما صلح به اولها" کہ اس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو سکتی مگر اسی طرح کہ جس طرح اسکے پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔ اس قول مبارک کے ہوتے ہوئے اور دیگر شواہد و براہین کی روشنی میں بہتر طرز عمل یہی ہے کہ پہلے مرحلے میں "پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دین میں ہو" یا بالفاظ دیگر "بانشہ درویشی در ساز و دما دم زن" کے مصداق دعوت ' تربیت اور تنظیم سازی کا کام ہو اور جب ان اساسات کی پختگی کا یقین ہو جائے تو "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن" کے مصداق ان افراد کو باطل کے ساتھ ٹکرا دیا جائے نہ کہ انتخابات میں الجھایا جائے۔ البتہ آج کے ٹکراؤ اور نبویؐ دور کے ٹکراؤ میں یہ فرق رہے گا کہ انقلابی گروہ عدم تشدد کی پالیسی پر گامزن رہتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھے گا۔

عوام کی اکثریت کو ہمنوا بنا کر اسلامی انقلاب برپا کرنے کے اپنے تصور کو اجاگر کرتے ہوئے فاضل مضمون نگار سوال اٹھاتے ہیں کہ "یہاں کسی ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک مسلمان ملک میں انقلاب امامت یا تبدیلی حکومت کے لئے ہم مسلمان عوام کی حمایت لازماً حاصل کرنے کا جو نسخہ تجویز کر رہے ہیں ' وہ غیر اسلامی یا غیر حقیقی تو نہیں"۔ پھر اس کو اسلامی اور حقیقی ان الفاظ میں ثابت فرمایا ہے "اسلام کی سیاسی تعلیمات کی رو سے ایک اسلامی مملکت میں حکومت بنانے اور ہٹانے کا کام مسلمان عوام ہی کا ہوتا ہے"۔ بجا ارشاد ہے مگر تب جب وہاں اسلامی مملکت قائم بھی ہو۔ محض نام اسلامی رکھ لینے سے کوئی مملکت اسلامی نہیں کہلاتی بلکہ اسلامی مملکت کے اپنے کچھ خصائص ہوتے ہیں جنکی بنیاد پر اسے اسلامی مملکت کہا جاتا ہے۔ ایسی ریاست میں تو بلاشبہ حکومت بنانے اور ہٹانے کا کام مسلمان عوام ہی کرتے ہیں مگر ایسی ریاست قائم بہرحال انقلابی عمل سے ہوتی ہے کیونکہ ایک ایسی ریاست جہاں اسلام کا نظام عدل اجتماعی رائج نہ ہو بلکہ غیر اسلامی معاشی ' معاشرتی اور سیاسی نظام جاری و ساری ہو ' وہاں کے مسلمان عوام حکومت بنانے اور ہٹانے کا کام تو ضرور کرتے رہیں گے مگر نظام جوں کا توں ظالمانہ اور جابرانہ ہی رہے گا جسکا تماشا ہم پاکستان میں گزشتہ ۴۵ برس سے دیکھ رہے ہیں۔ اس ضمن میں اگر موصوف اس مغالطے کا شکار رہے ہیں کہ ہم محض حکومت تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو اب انہیں اصلاح کر لینی چاہیے کہ دراصل ہم پورا نظام بدلنا چاہتے ہیں اور پورے نظام کو بدلنے کے لئے داعی تحریک خلافت کا دیا ہوا طریقہ کار کارگر ہو سکتا ہے نہ کہ محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کا۔

اپنے اسی مضمون میں محترم امین صاحب نے داعی تحریک خلافت کی فکر کا نفسیاتی تجزیہ بھی فرمایا ہے اور اس فکر کو متشددانہ خیال کرتے ہوئے مغرب کے پروردہ حکمرانوں کے اسلامی تحریکوں کو دبانے کے لئے ہر جائز و ناجائز ہتھکنڈہ اختیار کرنے کے رد عمل پر محمول فرمایا ہے۔ یہاں بھی موصوف چوک گئے کیونکہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اس فکر کے ڈانڈے سیرت النبیؐ سے جا ملتے ہیں اور اسکا جذبہ محرکہ اپنے لئے ہر معاملے میں رسولؐ کی زندگی سے راہنمائی حاصل کرنے کا مثبت انداز فکر ہے نہ کہ کسی عمل کا رد عمل ۔ البتہ اگر دوسری طرف نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ مغرب نے مسلمانوں کو متشدد مشہور کرنے کے لئے جو زور دار پراپیگنڈہ کیا اور بنیاد پرست اور ایسی ہی دوسری اصطلاحات عام کیں اس سے مرعوب ہو کر بعض عناصر اسلام کی ایسی تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو مغرب کے اس پراپیگنڈے کا توڑ ثابت ہو سکے۔ چنانچہ وہ کھینچ تان کر ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ اسلام بھی عیسائی مذہب کی طرح بن کر رہ جائے کہ اگر کسی نے ایک تھپڑ جڑ دیا تو آپ دوسرا گال بھی پیش خدمت کریں کہ حضور یہ بھی حاضر ہے ایک اور......

جناب محمد امین صاحب بھی اسی مکتب فکر سے معلوم ہوتے ہیں جو مغرب سے ذہنی مرعوبیت کا شکار اور گویا نفسیاتی اعتبار سے کمزور حیثیت کا حامل ہے۔ پھر اپنے مضمون کے شروع میں جس طرح موصوف نے ڈاکٹر صاحب کے اخذ کردہ فلسفہ انقلاب کو مولانا اصلاحی صاحب کی کتاب "دعوت دین اور اسکا طریقہ کار" سے جوڑنے کی کوشش کی ہے ' اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اس فلسفہ انقلاب کو سیرت النبیؐ سے اخذ کرنے سے قاصر تھے ' انہوں نے اسے مولانا اصلاحی صاحب سے لیکر اپنی کاوش کے طور پر پیش کیا ہے ۔ موصوف کے اس طرز بیان سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ وہ اس فکر سے زیادہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے پرخاش رکھتے ہیں اور یہ قطعاً صحت مند شخصیت کی علامت نہیں ہے کہ غصہ کسی فرد پر ہو اور نکالا اسکی فکر پر جائے۔ کبھی کبھی اپنا بھی تجزیہ کرتے رہنا چاہیے اور بالخصوص جناب ڈاکٹر امین صاحب کو یہ ضرور غور فرمانا چاہیے کہ اسطرح کے مضامین لکھ کر وہ "شعوری یا غیر شعوری" طور پر کس کی خدمت کر رہے ہیں؟ اسلام کی ' جو پردیس میں غریب الغربا ہے ' غریب کسان کی جو اپنی محنت کے بقدر اجرت نہیں پاتا اور کسمپرسی کی کیفیت میں زندہ ہے ' پاکستان کی جسکی بقا کا
(باقی صفحہ ۱۸ پر)

نظام خلافت کے قانونی و آئینی ڈھانچے کے موضوع پر دوسرا مذاکرہ

اللہ کا وعدہ مشروط ہے

رپورٹ: ریاض الحق

"علماء تو تنقید پر مشتعل ہوجاتے ہیں' یہ مجلس میرے لئے ایک نادر مثال ہے"

جمعہ ۱۴ر اگست کو نماز مغرب کے بعد گارڈن ٹاؤن کے اتاترک بلاک میں واقع قرآن آڈیٹوریم میں "سیاست خلافت" پر دوسرا سیمینار ہوا۔ قبل ازیں ۱۷ر جولائی کی شام کو اسی موضوع پر ایسا ہی پہلا مذاکرہ ہوا تھا جس میں خلافت کے نام سے دلچسپی رکھنے والے کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ بجا طور پر یہ توقع تھی کہ اس بار سامعین کی تعداد پہلے سے کہیں زیادہ ہوگی اور نوجوانوں سے آڈیٹوریم کے ہموار حصے میں بچھی ہوئی ان صفوں پر منتقل ہونے کی درخواست کرنے کی ضرورت پیش آئے گی جو مذاکرے کے اختتام پر نماز عشاء باجماعت ادا کرنے کے لئے قبلہ رخ پھیلائی گئی ہیں لیکن اللہ کو یہ منظور نہ ہوا۔ عین وقت پر موسلا دھار بارش نے شرکاء کے ارادے کو متزلزل کردیا اور آڈیٹوریم کی لگ بھگ ایک تہائی نشستیں بھی بیٹھنے والوں کے انتظار میں رہیں۔

امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کا جو مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر موسس بھی ہیں ' یہ خالص طالب علمانہ رویہ اب انہیں جاننے والوں کے لئے نیا نہیں رہا کہ وہ اپنے فکر کو حرف آخر نہیں سمجھتے اور اس یقین کے باوجود کہ اس کا سرچشمہ کتاب و سنت اور سیرت طیبہ ہیں ' اپنے فکر کی کسی خامی یا کوتاہی کی نشاندہی کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے اور اس میں حسب ضرورت اصلاح کے لئے تیار رہتے ہیں۔ نظام خلافت کے قانونی اور دستوری ڈھانچے پر انہوں نے جو اساسی نکات مرتب کئے انہیں کتابچوں کی شکل میں اور بانداز دگر "نوائے وقت" میں اپنے ہفتہ وار کالم کے ذریعے پیش کر کے پھر ایک پمفلٹ کی شکل میں طبع کرایا اور پھر موضوع سے دلچسپی رکھنے والے اہل علم کی خدمت میں بھیج کر درخواست کی کہ اگر ان میں سے کوئی بھی دین کے ماخذ سے بعید اور جدید علم سیاست کے محکم عملی اصولوں سے متصادم ہو تو ہمارے مذاکروں میں تشریف لایئے اور اس پر انگلی رکھ دیجئے ' پھر یہ بھی بتایئے کہ یہ غلط ہے تو درست کیا ہے؟۔ بصورت دیگر آپ کا بھی دل اس بات پر ٹھکتا ہو کہ جا ایں جاست تو اس کا برملا اظہار کیجئے تاکہ ہمیں بھی اطمینان ہو کہ غلط مفروضوں کے پیچھے نہیں دوڑ رہے ہیں اور پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی منزل کا واضح شعور حاصل ہونے لگے۔

۱۴ر اگست کا مذاکرہ اسی سلسلے کی دوسری کڑی تھا اور ڈاکٹر صاحب کے اختتامی کلمات میں یہ اعلان بھی آگیا کہ تیسرا مذاکرہ جمعہ ۱۸ر ستمبر کی

شام کو نظام خلافت کے معاشی پہلو پر گفتگو کے لئے ہوگا۔ اس سیمینار میں مجلس کی صدارت ڈاکٹر صاحب نے خود ہی کی کہ وہی میزبان تھے اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے ادا کئے جو پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ سے منسلک ہیں اور قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائریکٹر بھی ہیں

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سورہ نور کی آیت نمبر ۵۵ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبویؐ سے اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آج کے مذاکرے میں انہیں بجا طور پر بھرپور حاضری کی توقع تھی لیکن بارش کی وجہ سے لوگ پہنچ نہیں پائے۔ مذاکرہ کے موضوع کی تمہید میں فرمایا کہ اللہ نے سورہ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں مسلمانوں کے ساتھ تین وعدے کئے لیکن ان کو دو شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ وعدے تو یہ ہیں کہ وہ ان کو زمین میں لازماً استخلاف عطا کرے گا' ان کے اس دین (نظام) کو لازماً تمکن عطا فرمائے گا اور انکی خوف زدگی کی حالت کو ضرور امن سے بدل دے گا تاہم اس کے لئے شرائط یہ ہیں کہ وہ حقیقی طور پر ایمان لائیں ' نیک عمل کریں اور رسول کی اطاعت کریں۔ اس کے ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی پیروی نفاذ خلافت کے لئے لازمی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور حدیث کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ میرے لئے اللہ نے زمین کو سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشرق و مغرب دیکھ لئے۔ ان تمام پر میں نے اپنی امت کی خلافت کو دیکھا۔

تمہیدی کلمات کے ساتھ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مائیک ڈاکٹر ابصار احمد صاحب کے حوالے کیا اور انہیں سٹیج سیکریٹری کے فرائض انجام دینے کی ہدایت کی۔ ڈاکٹر ابصار نے سب سے پہلے چودھری رحمت علی صاحب کو دعوت دی جو خود بھی اپنے انداز میں احیائے خلافت کے لئے کام کر رہے ہیں۔

چودھری رحمت علی صاحب نے فرمایا کہ میں تنظیم اسلامی کی اس منصوبہ بندی کی تحسین کرتا

ہوں کہ اس نے لوگوں کو غورو فکر کی دعوت دی ہے۔ آج کے حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ لوگ دین کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ انہوں نے کہا مجھے ڈاکٹر صاحب کے فکر کے بڑے حصے سے اتفاق ہے لیکن کچھ باتوں سے اختلاف بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے جو کمیٹی تشکیل دی تھی' اس میں سے چار حضرات نے اپنے نام واپس لے لئے تھے جبکہ دو حضرات نے اپنے نام برقرار رکھے لیکن اس سے امیدواری کے جواز کی گنجائش نہیں نکلتی۔ امیدواری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف ہے چنانچہ اسلام کے نظریہ کے مطابق بھی یہ غلط ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال جو لوگ پیش کرتے ہیں' وہ ایک استثنائی صورت تھی کیونکہ اس وقت کوئی دوسرا مسلمان موجود نہیں تھا اور وہ خود اپنے طرز عمل سے امین ثابت ہو چکے تھے۔

دوسرا اختلاف کا نکتہ یہ ہے کہ خلیفہ کا انتخاب سب ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر نہیں کر سکتے ۔ کسی خلیفہ کا انتخاب اس طرح نہیں ہوا کہ تمام لوگوں نے رائے دی ہو۔ اسلام اس کو صحیح نہیں کہتا۔ خلیفہ کا انتخاب ارباب حل و عقد کریں گے کیونکہ کسی بھی خاص معاملہ میں ماہرین کی رائے ہی لی جاتی ہے' ہر ایک کی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ عورتوں کی رائے لینا غیر اسلامی طریقہ ہے۔ علاوہ ازیں خلافت اگرچہ کسی ایک جگہ سے ہی شروع ہو گی لیکن یہ عبوری دور ہو گا اور اس بات کو عام کرنا خلافت کے نظام کا استخفاف ہے۔ پھر خلیفہ کے لئے اہلیت ہونا بھی لازمی ہے۔ اگر آپ صالح قیادت لے آئیں تو ۸۰ فی صد نظام خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر مسلمان قیادت کے چار اوصاف یعنی تقویٰ' عمل صالح' علم اور جسم میں سلامتی پورے کر دئے جائیں تو گویا خلافت قائم ہو گئی۔

اس کے بعد چودھری مظفر حسین سے خطاب کی درخواست کی گئی جو اگرچہ عمر بھر سرکاری محکموں میں افسری کرتے رہے ہیں لیکن فکر اقبال اور بالخصوص ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کے نظریات کے ابلاغ کو وظیفہ ء حیات بنائے رکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ ڈاکٹر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے علامہ اقبال' ڈاکٹر رفیع الدین اور مولانا مودودی کے فکر کو زندہ رکھا' وہ ان کے فکر کے وارث ہیں۔ "فسئلوا اهل الذكر" کا منشاء پورا کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موجود ہیں۔ انہوں

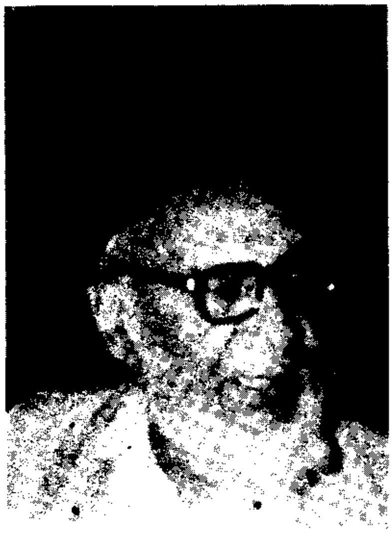

نے بھرپور سیاسی زندگی گزاری ہے اور وہ مسلم لیگ' جماعت اسلامی اور تنظیم اسلامی سے ہوتے ہوئے تحریک خلافت تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کی تازہ تحریروں سے جمود ٹوٹا ہے اور لوگوں کو تسلی ملی ہے' ورنہ تو قوم بھٹک رہی تھی۔ پھر کہا کہ اسلام انقلاب کے ذریعے آتا ہے تاہم جمہوریت کے ساتھ اسلام کی پیوندکاری ضلالت ہے۔ قرآن میں کئی جگہ پر اکثریت کے مقابلے میں اقلیت کو ہدایت پر بتایا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے جمہوریت کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ اس کا باقی رہنا ضروری ہے لیکن انہوں نے اس پر شدید تنقید بھی کی ہے۔ چودھری صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سیاست خلافت میں جمہوریت کی اصطلاح کا استعمال چھوڑ دیں اور کوئی اور اصطلاح اختیار کریں۔ اس کے علاوہ عملی کام بھی کریں جیسے کہ اقبال نے کہا کہ۔

ہفت کشور جس سے تسخیر ہو بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو ترے پاس وہ ساماں بھی ہے

اگلے مقرر پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور تھے جو

گورنمنٹ کالج لاہور میں پولٹیکل سائنس کے شعبہ کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں منتظمین خصوصاً ڈاکٹر ابصار صاحب کا شکرگزار ہوں کہ مجھے اپنی بات کہنے کا موقع دیا تاہم میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ ڈاکٹر اسرار صاحب جیسی علمی شخصیت کی تحریر پر تنقید کروں۔ میں نے اپنی زندگی میں چند ہی لوگ ایسے دیکھے ہیں جن کی دسترس جدید علوم میں بھی ہو اور دینی علوم میں بھی۔ انہی میں ایک ڈاکٹر اسرار صاحب ہیں چنانچہ میں ان کی تحریر کے ساتھ اختلاف کی جرات نہیں کر سکتا تاہم یہ وضاحت ضرور چاہوں گا کہ ہمارے ملک میں اب تک جو اصطلاح مستعمل رہی' وہ اسلامی نظام ہے تو ایک نئی اصطلاح نظام خلافت کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد خلافت کا خاتمہ ہو گیا لیکن بہت سے لوگوں نے اس کو دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی جن میں سے نمایاں علامہ رشید رضا تھے۔ ان

کاخیال تھا کہ مسلمانوں کا یہ ادارہ قائم رہے کیونکہ یہ ان کے اتحاد کی ایک علامت تھا۔ ابن خلدون نے خلافت کو ایک نظام کے طور پر بیان کیا ہے۔ پھر مولانا مودودی نے اس کو Socio-political Structure کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اس بات کو بار بار دہرایا کہ اسلام کے لئے جدوجہد کرنے والے سیاستدانوں اور علماء میں یہ اتفاق رائے پیدا ہو گیا ہے کہ پاکستان میں اسلامی نظام ضروری ہے۔ جنگ عظیم دوم کے بعد کی اسلامی ممالک کی تمام تحریکوں میں اگرچہ قومی یکجہتی کا عنصر غالب تھا لیکن ہر جگہ اسلام کا نام بھی لیا گیا۔ یہاں بھی جب قرارداد مقاصد پاس ہوئی تو اختلافات کے باوجود اسلامی نظام پر گویا اتفاق رائے ہو گیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اسلامی نظام کے لئے پارلیمانی جمہوری اداروں کو استعمال کرنا چاہیے۔ اس میں اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ جمہوری ادارے اسلامی نظام کی کوشش میں رکاوٹ ہیں بلکہ سارا مسئلہ نیتوں کا ہے۔ ہماری نیتیں صاف نہیں ہیں۔ جہاں تک خلیفہ کے چناؤ کا مسئلہ ہے' اس میں ووٹوں کی کثرت سے زیادہ اہلیت کی ضرورت ہے۔

سٹیج سیکرٹری نے اب ڈاکٹر فاروق حسن بارایٹ لاء کو خطاب کی زحمت دی جو دستور و آئین کے ماہرین ہی میں نہیں شمار ہوتے بلکہ امریکی یونیورسٹیوں میں یہ مضمون پڑھاتے بھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میرا سوال یہ ہے کہ آج کل کے دور میں نظام خلافت نافذ ہو بھی سکتا ہے یا نہیں اور کیا کچھ ترامیم کے ساتھ بھی نافذ ہو سکتا ہے جو بنیادی تصور میں تبدیلی نہ آنے دیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ کمال ہے کہ انہوں نے اتنے پیچیدہ دستوری مسئلہ۔ (Coustitutional issue) کو اتنے سادہ الفاظ میں آپ کے سامنے چند مدون نکتوں کی شکل میں پیش کردیا ہے۔ تاہم اس میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ آج سے چودہ صدیوں پہلے کے نظام کا نفاذ ضروری ہے۔ نپولین کی جنگوں کے بعد ہیگل نے کہا تھا کہ لوگوں کو اپنی ملکی تاریخ کے ساتھ ایک جذباتی وابستگی ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس کچھ ممالک نے اپنی تاریخ سے تعلق توڑ کر جداگانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔ ترکی میں بھی یہی ہوا کہ خلافت کو ترک کردیا گیا اور کہا گیا کہ ضروری نہیں کہ

خلافت کا فرسودہ ادارہ برقرار رہے۔ ہمارے معاشرے کے لئے کوئی دوسرا نظام اختیار کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ان کی بات اپنی جگہ لیکن ہمارے معاشرے میں یہ نظام لے آیا جائے تو بہرحال بہتر ہوگا کیونکہ ہندوستان کے مسلمانوں نے پاکستان بنایا ہی اس بنیاد پر تھا کہ وہ اس میں صرف اور صرف اسلام کا قانون نافذ کریں گے۔ تو اب اگر ہم اپنی تاریخ ہی سے کوئی اچھی بات ڈھونڈ لیں تو ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ تاہم یہ بات صرف لیبل لگا لینے کی نہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ صدر یا خلیفہ کے فرائض کیا ہونگے اور اس کے قانونی حقوق کیا ہونگے۔ خلیفہ کی حیثیت جدید صدر کے قریب تھی۔ ہمارے ملک میں بھی عملاً یہی ہوتا آرہا ہے کہ وزیراعظم ہمیشہ اپنے آپ کو صدر سمجھتا ہے۔ اور ویسے ہمارے ہاں عقل کا استحصال بہت تشویش ناک ہے۔ اس ملک میں عقل و فراست کی کوئی قدروقیمت نہیں۔ ہم لوگ من حیث القوم بے ایمان ہیں۔ انہوں نے اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اسی جذبے سے آگے بڑھیں جس کے ذریعے پاکستان وجود میں آیا تھا۔

اب صدر مجلس ڈاکٹر اسرار احمد نے خود مائیک سنبھال کر حاضرین کو بتایا کہ پروگرام کے مطابق وفاقی شرعی عدالت کے ریٹائرڈ چیف جسٹس جناب گل محمد کو سب سے آخر میں بلانا طے تھا لیکن ان کی طرف سے تقاضا آیا ہے کہ انہیں کسی اور مصروفیت کے لئے فارغ کردیا جائے۔ چنانچہ اب میں ان سے درخواست کررہا ہوں کہ تشریف لائیں۔ جسٹس گل محمد صاحب نے فرمایا کہ میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس بابرکت محفل میں آنے کا موقعہ دیا۔ میں نے پاکستان میں اب تک کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا تھا جس نے اپنے افکار کو خود تنقید کے لئے پیش کیا ہو۔ میرے لئے یہ ایک بہت ہی نادر مثال ہے۔ دوسرے علماء تو تنقید کرنے پر جھگڑ پڑتے ہیں۔ پھر انہوں نے کہا کہ پاکستان کی بنیاد ایک نعرے پر تھی اور وہ نعرہ یہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ قائداعظم نے ہمیشہ کہا کہ مسلمانوں کے اس نئے ملک میں نظام قرآن و سنت کے مطابق ہوگا۔ اس کا نظام وہی ہوگا جو آج سے چودہ سو سال پہلے تھا' وہی نظام کار آمد ہے۔ اگر قائداعظم اس طرح کی بات نہ کرتے تو لوگ کبھی ان کی مدد نہ کرتے اور اس وقت بھی ملک میں بے چینی کو دور کرنے کے لئے

وہی دستور العمل اپنایا جانا چاہیے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ ہمارے دستور میں بھی یہی لکھا ہے کہ حاکمیت اللہ کی ہے اور لوگوں کے منتخب نمائندوں کا اختیار اس دائرے کے اندر ہوگا۔ امیدواری کو اصول کے مطابق طے کرنا ہوگا۔ جو لوگ عہدوں کے پیچھے بھاگتے ہیں' ان کو اسلامی تعلیم کے مطابق عہدہ نہیں دیا جائے گا۔ پارلیمانی نظام میں چونکہ ممبران کو ساتھ رکھنا ہوتا ہے اس لئے وہ وزیراعظم سے ناجائز کام کرواتے رہتے ہیں جبکہ امریکی صدارتی نظام اس لئے کامیاب ہے کہ فیصلہ کا اختیار صدر کے پاس ہوتا ہے اور اس کو مقررہ مدت سے پہلے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

ریٹائرڈ جنرل محمد حسین انصاری ذرا تاخیر سے تشریف لائے تھے لہذا دعوت خطاب ملنے کے

بعد انہوں نے اس پر بڑی لجاجت سے اظہار تاسف کیا اور پھر کہا کہ ہمارا معاشرہ روبہ تنزل ہے اس لئے اچھے نظام کی کوشش یقیناً لائق تحسین ہے ۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے اسلام کے سیاسی نظام کا ایک ڈھانچہ تیار کیا اور اس کو پیش کردیا ہے تاکہ ایک موثر نظام تجویز ہوسکے ۔ میں نے یہ انوکھی بات دیکھی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے تنقید کے لئے بلایا ورنہ تنقید کے لئے بلایا نہیں جاتا ۔ ڈاکٹر صاحب نے اللہ کے بندوں کو قرآن کے قریب لانے کے لئے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور یہ انہی کا حصہ ہے۔ اللہ ان کی عمر اور کام میں برکت عطاء فرمائے ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے کہ چونکہ نبوت اب نہیں آئیگی اس لئے اس کا تتمہ دور خلافت بھی اب پہلے جیسا نہیں ہوگا البتہ انہوں نے یہ کہہ کر کہ دین اسلام کی قانونی اور اخلاقی تعلیمات میں فرق ہے مجھے پریشان کردیا ہے مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے جس کے شر سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہیں لیکن ہم قانونی طور پر اس کو غیر مسلم قرار نہیں دے سکتے ۔ پھر یہ کہنا کہ اسلام کی قانونی اور اخلاقی تعلیمات میں کبھی کبھی تضاد بھی ہوتا ' عام مسلمان کے ذہن میں خلجان پیدا کردیتا ہے۔ انہوں نے رائے ظاہر کی کہ خلافت کے نظام کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا ہوگا۔ پھر یہ بھی طے کرنا ہوگا کہ امید وار کے لئے کیا شرائط ہونگی ۔ انہوں نے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ ڈاکٹر صاحب کو چاہیے کہ وہ تمام مذہبی جماعتوں کے لئے ایک متفقہ لائحہ عمل بنالیں جس کو پورے اتفاق رائے کے ساتھ پیش کیا جاسکے اور کسی کو اعتراض کی مجال نہ ہو ۔

مقررین کے عقب میں سٹیج کی دیوار پر نمایاں انداز میں آویزاں گھڑی اعلان کررہی تھی کہ وقت دس بجے سے بھی آگے نکل چکا ہے لیکن ایک مقرر ممتاز قانون دان جناب اسماعیل قریشی اپنی باری کے منتظر تھے ۔ صدر مجلس کی خواہش تھی کہ وہ اگلے مذاکرے میں کھل کر اور تفصیل سے بات کریں لیکن ان کی طرف سے اصرار موصول ہوا کہ طرف دو تین منٹ میں وہ ایک بات ضرور کہنا چاہیں گے۔ انہیں دعوت خطاب دی گئی تو انہوں نے کہا کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ پاکستان کے تمام دساتیر کا ایک جز ہے کہ ملک میں

حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہے انہوں نے کہا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی تیاری کے دوران میں نے ہی یہ تجویز پیش کی تھی کہ پاکستان کا مذہب اسلام ہونا چاہیے اور ایسا ہی ہوا

مجلس مذاکرہ میں بحث کو سمیٹنے کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب نے پھر مائیک سنبھالا اور کہا کہ آج کے مقررین کی تقاریر کا طرہ امتیاز یہ تھا کہ ان میں سے کسی نے بھی موضوع کے ساتھ اپنی بات چیت کو وابستہ نہیں رکھا البتہ ادھر ادھر کی باتیں خوب ہوئیں۔ اس صورت حال میں انصاری صاحب کا میں خاص طور پر ممنون ہوں جنہوں نے جو بھی کہا موضوع کے متعلق کہا جو یہ تھا کہ خلافت کا دستوری ڈھانچہ کیا ہوگا ۔ ہمارے ملک میں قرار مقاصد کے ذریعے اصولاً" یہ طے ہوجانے کے بعد کہ یہ نظام خلافت ہی ہوگا کوئی بھی نظام نہیں آیا ۔ امیدواری کوئی گالی نہیں ' آخر نظام کو لے کر بھی تو چلنا ہے جس کے لئے مردان کار کو تلاش کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ اختیار کرنا ہی ہوگا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے تو انتخاب کے لئے عورتوں اور بچوں تک سے مشورہ لیا تھا۔

مظفر حسین صاحب نے فرمایا کہ علامہ اقبال جمہوریت کے حد درجہ خلاف تھے اور جمہوریت کے انتہائی حق میں بھی تھے۔ یہ بات مظفر صاحب کی سمجھ میں شاید نہیں آئی کہ علامہ اقبال جمہور کی حاکمیت پر لعنت بھیجتے تھے لیکن جمہور کی خلافت کے علمبردار تھے اور یہی اس عقدے کا حل ہے۔ اسی طرح Sceular نظام میں جیسے ذاتی معاملات کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور معاشی سیاسی اور معاشرتی معاملات کو ریاست کے ماتحت رکھا جاتا ہے ' ویسے ہی خلافت میں بھی پرسنل قانون میں آزادی دی جائے گی کہ مختلف فرقے اپنی اپنی فقہوں کے مطابق فیصلے کریں۔ ہم لوگ ایک متفقہ نظام نہیں دے سکتے کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ہیں علما نے ۲۱ نکات دیئے تھے کیں وہ بھی نافذ کرنے سے انکار کردیا گیا کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ جب تک نظام نہیں بدلے گا اس وقت تک اچھے سے اچھے نظام کو موجودہ ہاتھ خراب کر کے رکھ دیں گے۔

مجلس کے اختتام کے فوراً بعد حاضرین کی اکثریت نے آڈیٹوریم ہی کے ہموار حصے میں بچھی ہوئی صفوں پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی امامت میں عشاء کی نماز ادا کی۔ ○○

منہجِ انقلابِ نبویؐ

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

کے گیارہ خطبات کا مجموعہ

اشاعت عام — قیمت: -/۳۰ روپے

اشاعت خاص — قیمت: -/۶۰ روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

کوئی ہے جو انہیں سچی روحانیت سے روشناس کرائے؟

میں سکون دل کی خاطر کوئی ڈھونڈھ لوں سہارا!

روسی معاشرہ الحاد کے بعد اب توہم پرستی کی طرف مائل ہے

پستی کے مکینوں کو اخلاقی اقدار کی بلندی راس نہیں آئی

اخذ و ترجمہ: ابن صالح

ماسکو کے "فرینڈ شپ اسٹیڈیم" میں دو ہزار عقیدت مند جمع ہیں فاریہ ڈی اپھانو سٹیج پر ہاتھ پھیلائے اعلان کرتی ہے کہ "الفاسٹر یلیا" نامی ایک ستارے کے زیر اثر اسے بیماری سے نجات دلانے کی قوت حاصل ہے۔ کینسر کا یہاں علاج ممکن نہیں ہے لیکن دماغی کمزوری، درد، اعضاء کی کجی اور جوڑوں کا درد ٹھیک کیا جاسکتا ہے۔ وہ نرم اور مدھم سروں کی موسیقی کے بہاؤ میں لوگوں کو لمبے لمبے سانس لینے کے لئے کہتی ہے۔ "تمہارا شعور آہستہ آہستہ تحلیل ہورہا ہے" اس کی بڑبڑاہٹ سنائی دیتی ہے۔ کچھ لوگ مدہوش ہو کر دھڑام سے گر پڑتے ہیں۔ بعض پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے ہیں۔ "سورج ہمارا دیوتا ہے، اس سے تندرستی کے لئے استدعا کرو"۔

ان دنوں روسی ان تبدیلیوں سے نبرد آزمائی میں جنہوں نے معاشرہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے، ہر طرح کے خداؤں سے مدد کے طلبگار ہیں۔ سوویت یونین اور کیمونزم کے خاتمہ سے ایک روحانی خلاء پیدا ہوگیا ہے اور لاکھوں عوام نہیں جانتے کہ اب کس کو خدا مانیں۔ ان کی ضرورت پورا کرنے کے لئے روایتی مذاہب ہی نمودار نہیں ہورہے، عیسائیت کی روحانیت کا بہروپ بھرنے والے گنجے سروں والے ہری کرشنا کے پجاری کالے جادو کا علم رکھنے والے اور علم جفر کے عامل بھی بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو اپنے گرد جمع کر رہے ہیں، جس سے مروجہ مذاہب اور ان عقائد کے درمیان رقابت پیدا ہونے لگی ہے۔ جادو اور نجوم وغیرہ کی مقبولیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ماسکو کے سیونتھ ڈے ایڈونسٹسٹ پادری، نکولائی ساجین کہتے ہیں "ہم اب آزاد ہیں تو خدا متوجہ ہوا ہے مگر شیطان بھی حرکت میں آگیا ہے۔ لوگ سچائی کی تلاش میں ہیں مگر انہیں گمراہ کیا جارہا ہے۔ اس ملک میں یہ ایک بہت بڑا دھماکہ ہے۔"

کوئی بھی مذہب جو کیمونسٹ نظریہ اور تسلط کے لئے خطرہ ہوسکتا تھا، روس میں بری طرح جکڑ دیا گیا تھا۔ یہاں کا آرتھوڈکس چرچ بھی حکام کے سامنے سرنگوں ہوگیا اور اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکا یہاں تک کہ بعض اوقات اسے اپنے پیرو کاروں کے بارے میں کے۔ جی۔ بی کو معلومات فراہم کرنے کا کام بھی انجام دینا پڑتا۔ اس کے باوجود روسیوں میں روحانی جذبہ ختم نہیں ہوا۔ آرتھوڈکس چرچ باطن کی اہمیت پر زیادہ زور دیتا ہے اور روسیوں کے لٹریچر اور زندگی کے معمولات میں اوہام اور کشف وغیرہ کا بڑا اہم مقام ہے۔ روسیوں کو اس وقت خراب معاشی حالات کی کٹھنائیوں میں روحانی سکون کی طلب ہے۔ غیر اخلاقی اور بازاری قسم کے محض روپیہ بنانے کے طور طریقوں سے انہیں مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ روز مرہ معمولات زندگی پر حکومتی کنٹرول کے خاتمہ کے بعد نئی آزاد زندگی میں کوئی راہنمائی میسر نہیں ہے۔ "لوگوں کو مقصد زندگی کی تلاش ہے" یہ بات ۲۱ سالہ بورس تیتو میروف نے کہی جس نے حال ہی میں ایو نجلک عیسائیت قبول کی ہے۔

اکثر روسیوں کا خیال ہے کہ آرتھوڈکس چرچ اخلاقی خلاء پر کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے لیکن اس کے باوجود سینکڑوں نئے چرچ دوبارہ کھل گئے ہیں اور لاکھوں افراد روایتی عقیدہ پر واپس آرہے ہیں۔ تاہم جزوی طور پر سالہا سال کیمونزم کے زیر تسلط رہنے کے سبب آرتھوڈکس چرچ اخلاقی اقدار کی پاسداری کے مقابلے میں فرد کے خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے پر زور دیتا ہے۔ انسانی اقدار کے بین الاقوامی مرکز کے ڈائریکٹر، مخائل میسکوو سکی کا کہنا ہے کہ کیمونزم کے تحت روسی اخلاقی جمود کا شکار ہوچکے ہیں۔ "روسیت" کا اثر تا حال شہریت، عیالداری، کام، تعلیم، چرچ، وغیرہ کے تصور پر غالب ہے۔

آرتھوڈکس چرچ اگر روسیوں کو روحانی غذا فراہم نہیں کر پا رہا تو بہت سارے دوسرے چرچ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آگے آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکی پنتسمی ماسکو سے لے کر جنگ زدہ جمہوریاؤں تک ہر جگہ جہاد میں مصروف ہیں اور بہت بڑی تعداد میں لوگ ان کے گرد جمع ہورہے ہیں۔ "اکتوبر سینما گھر" ہر اتوار کو امریکی ایونجلیکل واعظوں کے نغموں اور دعاؤں سے گونج اٹھتا ہے۔ ایک دورہ ختم ہونے پر چار نوجوان روسی خواتین دائرہ میں اس طرح کھڑی ہوجاتی ہیں کہ ایک کا ہاتھ دوسری کے بازو پر ہو، آنکھیں بھینچ کر بند کرنے کے بعد وہ ایک انجانی زبان میں کبھی آہستہ کبھی چلانے کے انداز میں آوازیں نکالتی ہیں۔ بعد میں وہ بتاتی ہیں کہ وجد کی کیفیت میں انہوں نے سفید روشنیاں اور ایک خوبصورت سفید چرچ دیکھا۔ ایک لڑکی کا کہنا ہے کہ "یہ بہت ہی ولولہ انگیز تجربہ تھا"۔ ایک دوسری لڑکی نے بتایا کہ "حضرت مسیح پر اب ہمارا پختہ ایمان ہے، ان کی مدد سے سب ٹھیک ہوجائے گا"۔

نوجوان روسی ایک حد تک مایوسی اور بے اطمینانی کے سبب مذہب کی طرف رجوع کررہے ہیں۔ چیخوی روف ہر طرف منافقت کا دور دورہ دیکھ کر ٹیکنیکل یونیورسٹی چھوڑ کر امریکی ایونجلیکل عیسائیوں کے ہمراہ ہمہ وقت کام میں لگ گیا۔ جب

اس کے والدین کو معلوم ہوا کہ وہ تعلیم ادھوری چھوڑ کر جارہا ہے تو اس کے باپ نے کہا کہ وہ ایک "دلدل میں پھنس رہا ہے" اور اس کی ماں یہ سن کر رونے لگی۔ بچپن میں چیخوی روف کیمونزم کا دلدادہ تھا۔ بعد میں اس نے سٹالن کے مظالم کا حال پڑھا تو اس کا خیال تھا کہ گوربا چوف کے پریسٹرائیکا ' سے بہتری آئے گی لیکن اب وہ کہتا ہے " حکومت کا تختہ الٹے جانے کے بعد بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوا ' وہی پرانے چہرے نظر آتے ہیں"۔

آرتھوڈکس چرچ کے جو فرقے اس سے قبل زیر زمین کام کررہے تھے اور اکثر اصل چرچ سے بھی آگے عقائد اور باطنیت پسندی پر مبنی تھے ' مادیت اور بدعنوانی سے تنگ آئے لوگوں کو اپنی طرف مائل کررہے ہیں۔ ان کی دعوت میں جہنم کے ایندھن اور آگ کے خوف کا زبردست ڈراوا ہے۔ تیئس سالہ رشی سلوف کنسٹرکشن مینجر کا عہدہ چھوڑ کر مریم مقدس کے چرچ میں راہب بن گیا ۔ وہ روس کو جہنم کہتا ہے " ہمارا صرف حضرت مریم پر ایمان ہے۔ باقی سب کیمونزم اور 'ووڈکا' ہے"۔ نیلا لباس پہنے اور لگا تار دعا کے لئے ہاتھوں کو مصافحے کی شکل میں بھینچے ہوئے وہ اپنے بڑوں کی مذمت کرتا ہے جنھوں نے کیمونزم کو رائج کروایا۔

"ہرے کرشنا" جس کے پیروکاروں کی روس میں سات لاکھ کے قریب تعداد ہے ' بڑی تیزی سے اس ملک میں پھیل رہا ہے۔ سڑکوں کے کنارے ان کے اشتہار لگے ہوتے ہیں۔ ڈھیلے ڈھالے پیلے لباس میں ملبوس بھگتی "میکڈانلڈ" کے باہر ناچتے اور ڈھول بجاتے ہیں۔ پورے ملک میں ان کے مندر بن رہے ہیں۔ ماسکو میں ایک جشن منایا گیا جس میں جارج نے حصہ لیا جو ایک راک سنگر ہے اور کرشن مذہب اختیار کرچکا ہے۔ مندروں میں مرد اور خواتین الگ الگ حصوں میں رہتے ہیں اور "باقاعدہ" جنسی تعلقات کی اجازت صرف شادی شدہ لوگوں کو حاصل ہے۔

چونکہ طبی سہولتوں اور اس طرح کی دوسری خدمات کا سلسلہ باقی نہیں رہا اور لوگوں میں مایوسی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے لہٰذا کچھ لوگ ٹونے ٹوٹکے کرنے والوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں جو جگہ جگہ پورے ملک کے اندر نمودار ہوگئے ہیں۔ ساٹھ سالہ للتا گورلک کہتی ہیں " ہماری زندگی اتنی کٹھن بن چکی ہے کہ ہم ہربات پر یقین کرنے کو تیار ہیں"۔

اس نے اپنے خاوند کی تصویر سینے پر آویزاں کر رکھی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس تصویر پر جادو کے اثر سے اس کے خاوند کو شریانوں کی بیماری سے نجات مل جائیگی۔ شعبہ صحافت کیمونسٹ پارٹی کے تحت تھا۔ گارلک اور سینکڑوں دوسرے صحافی اور ان کے رشتہ دار ایک دعا اور دارو کرنے والی عورت لاریسا ککوچ کے پاس علاج کے لئے بوتلوں میں پانی' آٹا اور تصویریں وغیرہ لاتے ہیں جن میں وہ پھونک مار کر واپس کردیتی ہے۔ کچھ نوجوان تو جادوگری میں ایسے الجھے ہیں کہ حقیقت کا انہیں احساس ہی نہیں رہا۔ صرف چھ ماہ میں ایڈونٹسٹ پادری ساگن کے ہاں روحانی زندگی حاصل کرنے کے لئے پانچ ہزار افراد آچکے ہیں۔ ایک بتیس سالہ آدمی کا خیال ہے کہ روحوں کو بلانے پر اس کے شعور میں کئی چھوٹے چھوٹے در کھل گئے تھے اور اس کی روح ستاروں کی طرف پرواز کرگئی۔ "تب سے اسے عجیب عجیب خیالات آنے لگے ہیں ' کوئی بلا اس کا خون چوس رہی ہے اور توانائی ختم ہورہی ہے"۔ ساگن نے بتایا کہ ہم دونوں نے دعا مانگی اور اسے افاقہ ہونے لگا لیکن وہ اسی روحوں والے چکر میں پڑگیا تو پھر کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ ساگن کے چرچ کی ایک راہبہ کسی جادوگرنی کے ہاں گئی جس نے اس پر روحوں کو بلانے کا عمل کیا اور اس کے نتیجہ میں وہ راہبہ اب ایک پاگل خانہ میں داخل ہے۔

یوں روس میں روحانیت کو درپیش خطرات سامنے نظر آرہے ہیں۔ ایک ایسے نظریاتی خلاء میں جہاں لوگوں میں بے بنیاد عقائد کا جڑ پکڑنا آسان ہو ' قومیت یا اجتماعیت کا کوئی بھی نظام جگہ پاسکتا ہے۔ پاول گوریوچ کے نزدیک جو ایک فلاسفر ہیں اور مذہب اور باطنی علوم کے بارے میں کئی کتابوں کے مصنف ہیں ' نظریئے کا دھماکہ جمہوری معاشرے کے قیام کی جانب ایک قدم ہے جہاں ہر

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

KHALID TRADERS
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

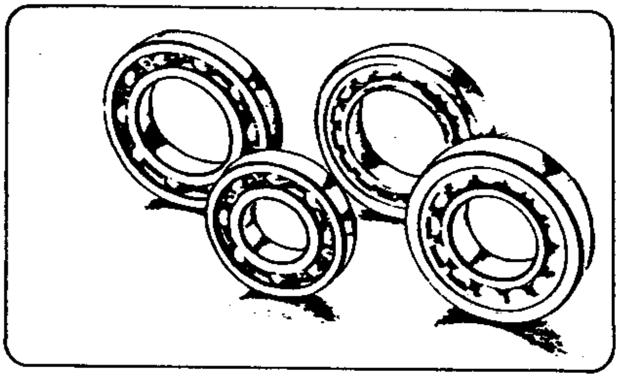

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

بقیہ تجزیہ

میں انٹلی جنس ایجنسیوں کی ہدایت پر پیپلزپارٹی کو سندھ میں ناکام بنانے کے لئے کنفڈریشن کا نعرہ لگاتے رہے مگر کوئی عوامی توجہ حاصل نہیں کرسکے۔

نواب زادہ صاحب کی سیاسی خدمات سے کسی کو انکار نہیں لیکن ان کا ہر اتحاد منفی نوعیت کا تھا اور کسی اتحاد نے قوم کو کچھ نہیں دیا۔ ہر اتحاد کی جدوجہد کے بعد قوم کے حالات مزید ابتر ہوگئے کیونکہ منفی نوعیت کی ایجی ٹیشنوں کا نتیجہ یہی رہتا ہے۔ پاکستان کے سیاسی اتحاد پاکستان کی سیاسی کمزوری کا مظہر رہے ہیں اور اس کمزوری کو دور کرنا ہے تو اتحاد کی سیاست کو چھوڑنا ہوگا اور کم از کم دو یا دو سے زیادہ طاقتور سیاسی جماعتوں کو ابھر کر آنا چاہیے جو ملغوبہ نہ ہوں اور فکری و عملی لحاظ سے ان کی سمت سفر واضح ہو۔ جس پر پرُ ست رفتاری سے ہی سہی، لیکن مستقل پیش رفت کرتے رہیں۔ اقتدار کے شارٹ کٹ کی تلاش میں اتحاد بنائے گئے، اس سے ہر جماعت میں نظریاتی ضعف اور انحطاط پیدا ہوا ہے۔ بے اصولی پر مبنی ہر اتحاد خود ان جماعتوں کے ضمیر پر بوجھ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھی اور منظم جماعتیں بھی انہیں چلا نہیں سکیں اور جو لوگ کسی خفیہ اشارے پر اتحاد میں جمع ہوئے تھے، وہ خفیہ اشارے کے ساتھ ہی واپس ہو گئے تو اس میں تعجب کی بات نہیں تھی۔ جب بھی منفی نوعیت کا اتحاد بنے گا، ایسا ہی ہوگا۔ اس لئے حکومتی شخصیات کا الٹ پھیر ہو سکتا ہے لیکن ملک کے حالات میں بہتری نہیں ابتری پیدا ہوگی۔

اس لحاظ سے بہتر یہی ہے کہ کسی اتحاد کے بغیر مسلم لیگ، پیپلزپارٹی اور دوسری جماعتیں اپنا اپنا کام عوام میں کریں۔ دینی جماعتوں کو اللہ توفیق دے تو وہ ایک محاذ بنا سکتی ہیں لیکن ان کا شریعت محاذ پہلے بھی دیکھا جا چکا ہے اور وہ خلوص موجود نہیں ہے جو اس طرح کے اتحاد کے لئے درکار ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہر جماعت اپنے اپنی تعمیر کا کام کرے جو اتحاد کے چکر میں اوجھل ہو جاتا ہے اور عوام کی ذہنی سیاسی تربیت بھی غلط ہوتی رہتی ہے کیونکہ تضادات سے پر سیاست عوام کے شعور کو بلند نہیں کرسکتی، انہیں فکری انتشار اور مایوسی سے دوچار کردیتی ہے۔OO

بقیہ روسی معاشرہ

قسم کے خیالات پرورش پا سکتے ہیں خواہ یہ دعا کہ حقیقی تعصباتی یا براہ راست جادوئی ہی کیوں نہ ہو۔ "ہم نے ایک ملحدانہ معاشرہ سے سفر کا آغاز کیا ہے جہاں راہنماؤں کو پوجا جاتا تھا۔ اچانک مذاہب کے ظہور سے لوگوں کے دل و دماغ کھل جائیں گے"OO

بقیہ مکتوب کراچی

پاکستان میں انتخابی سیاست کا یہ المیہ ہے کہ یہاں ہمیشہ سیکولر ذہن کے لوگوں نے عوام کو شیشے میں اتارا اور اقتدار کی زمام بے عمل مسلمانوں کے ہاتھوں میں آتی رہی ہے۔ اس کی متعدد وجوہات میں سے ایک بڑا عامل عوامی مزاج ہے جو مذہبی عناصر کو برسرمنبر ہی متمکن دیکھنا چاہتا ہے۔ انتخابی سیاست کا میدان اس بات کا متقاضی ہے کہ عوامی سوچ کی لہر کو اپنے حق میں استعمال کیا جائے جو اس لہر پر سوار ہونے میں کامیاب ہوجائے وہی کنارے تک پہنچ پاتا ہے۔

ایم کیو ایم کی موجودہ حالت مذہبی سیاسی جماعتوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ سیکولر معاشرہ میں ان کی بھی کسی وقتی انتخابی کامیابی کو نادیدہ قوتیں کسی بھی وقت بڑی آسانی سے سبوتاژ کرسکتی ہیں۔ جب تک نظام تبدیل نہیں ہوتا، یہ احتمال پورے شدومد کے ساتھ قائم رہے گا لیکن کسی بھی نظام کی تبدیلی کے لئے انقلاب ناگزیر ہے اور انقلاب، انتخابات کے راستے سے آتا ہی نہیں ہے۔ پائیدار نمائندگی کے لئے بھی دعوت کا کام بنیادی اہمیت کا حامل ہے جسے ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں ترک کئے بیٹھی ہیں۔ اگر کہیں دعوت ہے بھی تو مسلک کی جو فرقہ واریت کو مزید مستحکم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور اب ایسی جماعتیں تو فرقہ واریت کی علامت بن چکی ہیں اور ان کی فرقہ وارانہ مخاصمت نے سیکولر جماعتوں کو مزید آگے بڑھنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ دعوت تفہیم اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظام کی برکات کی ہو تو شاید کچھ بات بن جائے ورنہ ان جماعتوں کے ہاتھ پلے جگ ہنسائی کے سوا کچھ نہیں آتا۔ اصطلاح خلافت کی امین صرف تحریک خلافت نہیں بلکہ ہر دینی جماعت اس پر یکساں حق رکھتی ہے، اس کا فروغ ان کی بھی ذمہ داری ہے۔

تیزی سے تغیرپذیر حالات میں ایم کیو ایم کو بھی اپنی نئی صف بندی میں اسلام کی پاسداری کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ مذہبی شخصیات کا احترام اور مخلوط اجتماعات سے اجتناب کو اپنی پالیسی کا بنیادی حصہ بنانا ہوگا۔ یہ وطن اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا تاکہ یہاں اسلام کے ابدی اصولوں کو روبہ عمل لاکر اسلام کی حقانیت کو پورے عالم میں ثابت کیا جائے۔ پاکستان تدبیر خداوندی کا مظہر ہے، یہاں کوئی بھی بے لگام، مادر پدر آزاد سیاست زیادہ دیر نہیں چل سکتی۔ تعلیمات اسلامی پر خلوص نیت سے عمل کرنے سے اگر دنیا نہ بھی ملے تو آخرت کا اجر یقیناً محفوظ ہوگا۔ اباحیت پھیلا کر نہ ہم قوم کا بھلا کریں گے نہ ہی خود سرخرو ہوسکیں گے۔

ایم کیو ایم کے خلاف اردو دیش کا اسٹنٹ کوئی بڑی کامیابی حاصل نہیں کرسکا اور ایسے کسی تخیل کی سختی سے تردید کردی گئی ہے تاہم بعض محب وطن لوگوں کے خیال میں اس زہر کا ایک تریاق یہ ہوسکتا ہے کہ "کراچی" کا نام جو ویسے ہی ایک بگڑا ہوا لفظ ہے، جناح پور رکھ دیا جائے، جہاں جناح ائیرپورٹ موجود ہی ہے۔ ویسے بھی قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نام سے کوئی شہر منسوب نہیں ہے۔ گلیوں، محلوں کے گیٹوں کو مسمار کردینے کے بعد کراچی اب پھر ایک "کھلا" شہر بن چکا ہے، جس کی رونقیں اور روشنیاں اس کے مکینوں کے آئندہ رویوں کی مرہون منت رہیں گی۔OO

بقیہ فلسفہ انقلاب

دارومدار اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام پر ہے یا پھر مغربی استعمار کی جو نہیں چاہتا کہ دنیا کے کسی خطے میں مسلمان کوئی حقیقی اسلامی ریاست تشکیل دینے میں کامیاب ہوں، جاگیرداروں کی جنہوں نے انگریز کی خدمت کرکے ان جاگیروں کو حاصل کیا جن کے بل بوتے پر نہ صرف "سیاست کے فرعون" بنے بیٹھے ہیں بلکہ اب یہی طبقہ سرمایہ دار بھی بنتا جا رہا ہے یا اس مغربی جمہوریت کی جسکے پردے میں دیو استبداد پائے کوب ہے؟۔ یہ محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کی سوچنے کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے تعصب، مفاداتی طمع و لالچ اور کسی بھی شخصی کمزوری سے محفوظ رکھتے ہوئے قرآن و سنت کا معروضی مطالعہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔OO

طوفانی بارشوں نے یہاں بلدیات کے ایڈمنسٹریٹر حضرات پر "سر منڈاتے ہی اولے پڑے" کی کہاوت چسپاں کردی

شہر قائد کا صرف نام ہی بدل کر جناح پور کیوں نہ رکھ دیا جائے؟

ایم کیو ایم کا یہ زوال مصنوعی دکھائی دیتا ہے

رحیم کاشفی

سندھ میں آپریشن کلین اپ کے نتیجے میں بحران نے مہاجر قومی موومنٹ پر بخار کی کیفیت طاری کردی ہے اور اس کی روپوش قیادت جہد للبقاء میں سرگرداں ہے جبکہ مہاجر عوام میں چڑچڑاہٹ کے ساتھ اضمحلال بھی پیدا ہو رہا ہے کیونکہ ذہنوں پر مسلط کی گئی نفسیاتی جنگ اپنا اثر دکھارہی ہے۔ مسلسل بارش نے کراچی میں ندی نالے بہادیئے اور فضا دھلی، نکھری ہوئی ہے لیکن دلوں کا غبار دھلنے پر نہیں آتا۔ بارش نے موسم کو خوشگوار بنایا اور ماحول کو سوگوار بھی کہ کئی اموات ہوگئیں، کچے گھر مسمار ہوگئے۔

فوجی آپریشن کے ساتھ حکومت کا سیاسی آپریشن اور اب قدرتی آپریشن بھی شروع ہوگیا ہے۔ انتظامیہ صحیح معنوں میں "آپریشن کلین اپ" میں مصروف نظر آنے لگی ہے۔ بارش نے غلاظت میں سڑاند پیدا کرنے کے ساتھ حشرات الارض اور مکھی مچھروں کا تحفہ بھی دیا۔ کئی قسم کے امراض پیدا ہوئے۔ ہسپتالوں میں رش بڑھ گیا اور دواؤں کی عدم دستیابی کی شکایت بھی پیدا ہونے لگی۔ صفائی کا کام شروع ہوا لیکن بلدیہ عظمٰی کراچی توڑی جاچکی ہے لہٰذا "سر منڈاتے ہی اولے پڑے" کی مثال ایڈمنسٹریٹر حضرات پر بالکل صادق آتی ہے۔ وہ تو بھلا ہو وردی والوں کا جنھوں نے صفائی کے کام کی نگرانی کی اور کنٹرول بھی کیا ورنہ کراچی پر کسی "گھورے" کا گمان ہوتا۔ ڈوبے اور ڈوبتے ہوؤں کو بھی نکالا گیا اور ایدھی سینٹر کا ہر مرکز ہنگامی مرکز بن گیا۔ دم تحریر بھی گھنگھور گھٹا تلی کھڑی ہے۔

کراچی کے موسمیاتی کینوس پر قوس قزح کے رنگ بکھرنے کے باوجود سیاسی موسم نہایت ناساز گار ہے۔ مطلع گرد آلود اور فضا میں نمی کا تناسب بڑھتا جارہا ہے جس کی وجہ سے گھٹن کی کیفیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اٹھی ہے ہر اک سمت سے الزام کی برسات
چھائی ہوئی ہر دانگ ملامت کی گھٹا ہے

تعلیمی ادارے بھی کھل چکے ہیں لیکن جہاں فوجی جوانوں نے ڈیرہ ڈال رکھا ہے ان مدرسوں کے بچے تعلیم سے محروم ہیں اور ان کا تعلیمی کیریئر بے یقینی کے دھندلکوں میں گم ہے۔

تیزی سے گزرتا ہوا وقت جس کی قسم اللہ جل جلالہ نے بھی بطور شہادت کھائی ہے، تمام تازہ قیاس آرائیوں، اندازوں اور تجزیوں کو باسی کر کے آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ ان سطور کی اشاعت تک بہت ممکن ہے کہ سیاسی مطلع صاف ہوچکا ہو اور حکومت کی اسٹریٹجی کامیاب ہوچکی ہو۔ قرآئن بتاتے ہیں کہ حکومت مہاجر قومی موومنٹ کو متعدد گروپوں اور دھڑوں میں بانٹ کر اسے اپنے مفادات کے لئے بے ضرر بنانا چاہتی ہے۔ سنا ہے کہ اس کار خیر کی بجاآوری کا فریضہ ایک وزیر باتدبیر کے مضبوط لیکن بوجھل کاندھوں پر ڈالا گیا ہے اور ضمنی انتخابات کا انعقاد اسی سازشی عمل سے منسلک کیا جارہا ہے۔

ایم کیو ایم کے خلاف حکومت کا ایکشن پلان اب نئے خطوط پر آگے بڑھتا نظر آرہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایم کیو ایم کی سٹریٹ پاور سے خائف جاگیرداروں کے گماشتے اس میں مزید تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسے ایک لولی لنگڑی، اپاہج پارٹی بنا کر کراچی کو دیگر پارٹیوں اور خاص طور پر سرکاری مسلم لیگ کا حلقہ انتخاب بنا دیا جائے۔

عروج و زوال شاہراہ حیات کے سنگ میل ہیں لیکن ایم کیو ایم کا یہ زوال مصنوعی سا دکھائی دیتا ہے جسے محلاتی سازش کے ذریعے روبہ عمل لایا گیا ہے۔ یہ زوال سے زیادہ آزمائش ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس پورے المیہ سے ایم کیو ایم کی قیادت کس طرح عہدہ برآ ہوتی ہے۔

اس المیہ پر ایک تبصرہ یہ بھی کیا گیا کہ ایم کیو ایم کو اس کی انتہا پسندی لے ڈوبی، وہ کراچی میں تین مضبوط جماعتوں سے مسلسل متصادم رہی لہٰذا آزمائش کے کڑے وقت میں اسے برسرزمین کوئی مضبوط حلیف میسر نہ آسکا اور ہمدردی کی بجائے اسے طعن و تشنیع کے تیر سہنے پڑ رہے ہیں۔ (باقی صفحہ ۱۸ پر)

جناب مدیر!

آفت زدہ کراچی سے سیاسی موسم کا حال لکھنا خالہ جی کا گھر نہیں رہا۔ مشرقی پاکستان میں موسمی اور سیاسی سائیکلون اکثر اکٹھے آتے رہے ہیں، یہاں بھی اب ایسی ہی کیفیت ہے۔ قلم بھی سوگوار ہے۔ حادثے کتنے ہی ہوئے لیکن سب سے بڑا المیہ افراد کے طرز عمل کا ہے۔ کسی مثبت تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے۔ فسق و فجور کا بازار گرم ہے، تعلیمات اسلامی سے بے اعتنائی ہے، نہ توبہ ہے نہ استغفار، الا ماشاءاللہ۔ پہلے خیال تھا کہ شاید لوگوں کے دلوں میں کچھ گداز پیدا ہوگا لیکن وہاں سختی ہی بڑھتی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت عطا فرمائیں اور اس پر قائم بھی رکھیں۔

خیر اندیش ---- رحیم کاشفی کراچی

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

خطوط آپ کے

ایم کیو ایم کی پرورش کس نے کی؟

"زندگی" کے مراسلہ نگار کے جواب میں حرفِ آخر

بشیر احمد چودھری ایم ۔ اے

میرے محترم بھائی! میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جو حضرت یعقوبؑ کی طرح اپنے یوسفؑ گم گشتہ کے غم میں روتے ہوئے آنکھیں سفید کر بیٹھے ہیں ۔ میں آپ کے دکھی دل سے نکلی ہوئی آواز کے جواب میں اپنا دکھ آپ کو اس لئے بتا رہا ہوں کہ ملک و ملت کے دشمنوں اور دوستوں میں تمیز کر سکیں ۔ اگر آپ کا مقصد سیاست نہیں بلکہ قوم کی خدمت ہے تو آپ میرے غم کو آسانی سے سمجھ لیں گے ۔

میرے بھی کچھ دوست ہیں جنھوں نے کراچی میں بے شمار زخم کھائے ہیں ۔ مگر یہ زخم کیسے آئے؟ تجزیہ کے لئے ہمیشہ وسیع ذہن اور وسیع مطالعہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے ۔ یک طرفہ سوچ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچایا کرتی اور پھر جب ہم دوسرے کی رائے کا احترام چھوڑ کر اپنی ضد پر اڑے ہوں تو دین ' سیاست ' بلکہ ہر بات میں دھڑے بندی اور فرقہ بازی در آتی ہے۔

یہ قائداعظم علیہ الرحمہ کی دانشمندانہ اور دیانتدارانہ قیادت ہی کا اعجاز تھا کہ انہی پنجابیوں ' سندھیوں ' بلوچیوں اور پٹھانوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے لئے آغوش محبت وا کردی تھی اور یہی مہاجر تھے جو پاکستان کے لئے تن من دھن کی بازی لگاتے ہوئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تلاش امن میں اور اس نئے وطن کی تعمیر کا ارادہ لے کر یہاں پہنچے تھے۔ آج افغان مہاجروں کا بوجھ کئی ملکوں نے ملکر برداشت کیا ہے جبکہ وسائل کی بہتات ہے مگر اس وقت یہ سارا بوجھ انہی تھی دست لوگوں نے برداشت کیا تھا جو اب ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں ۔ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟ ایم کیو ایم غنڈہ گردی کے راستہ پر کیوں پڑی؟۔ کن لوگوں نے ان کے ٹارچر سیل قائم ہونے دئے؟

دور کی بات نہیں ' چند سال ہی گزرے ہیں کہ سندھ میں پیپلزپارٹی کا زور ختم کرنے کے لئے اور اپنے اقتدار کو دوام دینے کی غرض سے ایک صدر نے ایم کیو ایم کی بنیاد رکھی ' پنجاب کے وزیراعلیٰ نے ۵ کروڑ روپیہ سے انکی امداد کی ' سندھ کے وزیراعلیٰ نے تیس ہزار کلاشنکوفیں خریدنے کے لئے انہیں لائسنس دئے اور ساتھ ہی انہیں یہ اختیار بھی دیا کہ وہ کراچی اور حیدر آباد پر جس طرح چاہیں حکومت کریں۔ اقتدار کے ان بھوکوں نے دوسروں کے لئے جو کنواں کھودا ' اس میں اب وہ خود بھی گر رہے ہیں اور قوم کو بھی ڈبونے والے ہیں ۔ اب ایم کیو ایم کے غنڈے اتنے دلیر ' سرکش اور منہ زور ہو چکے ہیں کہ حکومت اور ملک کو بھی ان سے خطرہ پیدا ہو گیا ۔ ایثار و قربانی کے ان پیکروں کو ڈاکو بنانے والے کیا صرف ہمارے حکمراں نہیں تھے؟ ان کو ڈاکو بناتے وقت تو کسی وزیراعلیٰ کی پاکستانیت نہیں جاگی تھی ۔

آپ دیکھیں کہ ملت فروش لیڈروں نے آج سے پچاس سال پہلے والی ایک قوم کو کتنے گروہوں میں تقسیم کردیا ہے ۔ اب یہ گروہ بندی جب تہذیب و شائستگی کی تمام حدود کو پھاند کر حکمرانوں کے لئے خطرہ بن گئی ہے تو کلین اپ آپریشن کئے جارہے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ یہ گند کس نے پھیلایا تھا اور کون پھیلا رہے ہیں؟ کیا اس کے ذمہ دار جام صادق ' نواز شریف ' اور صدر ضیاء نہیں ہیں؟ اب گند پھیل چکا ہے ' اسے سمیٹنے کے لئے سختی کام نہیں آئے گی ۔ خود کردہ را علاجے نیست۔ اب کھڑے ہو کر ان گروہوں کی بات سننی پڑے گی ۔

ایم کیو ایم کی پیپلزپارٹی سے رفاقت کیوں نہ چل سکی ' اس لئے کہ پیپلزپارٹی ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی ۔ پیپلزپارٹی کا یہ اقدام دانشمندانہ تھا مگر پارٹی کو کمزور کرنے کے لئے ایم کیو ایم کی مالی ' سیاسی اخلاقی اور ہر قسم کی مادی مدد کی گئی ۔ آپ کو پاکستان کی شرم کا واسطہ اس صدر کو دینا چاہیے تھا جو نورانی میاں اور مارشل لاء مخالفوں کو گرانے کے لئے جئے سندھ کو بھی گلدستے بھجواتا رہا ۔ پنجاب کی شرم کا واسطہ اس وزیراعلیٰ کو دیں جس نے ایم کیو ایم کو کروڑوں کی مدد پنجاب کے خزانے سے دی ۔ سندھ کا واسطہ اس سیہ قلب کو دیں جس نے تیس ہزار فارموں پر دستخط کر کے ایم کیو ایم کو کلاشنکوف کے لائسنس عطا کئے ۔ اقتدار و اسرار برادران تو آپ کو آپس میں لڑنے سے روک کر دانائی کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ اللہ کا شکر کیجئے کہ ابھی ہمارے ملک میں ایسے سچ بولنے والے اسلام و ملت کے خیر خواہ موجود ہیں جو حق کی بات کرتے اور دانائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ۔ اگر آپ نے ایم کیو ایم سے زخم کھائے ہیں تو اس کا گلہ ایم کیو ایم کو پرورش کرنے والوں سے کرنا تو بجا ہے لیکن اسرار برداران نے کب ایم کیو ایم یا کسی کی غنڈہ گردی کی حمایت کی ہے؟ انہوں نے ہمیشہ شرافت کا ' سچائی کا ' دیانتداری کا راستہ قوم کو بتایا ہے اور اب یہی سچ ہے کہ سندھ کے فتور کا سیاسی حل تلاش کیا جائے ' ملک کو چودہ پندرہ صوبوں میں بانٹ کر علاقائی سیاست کو ختم کردیا جائے ' غریب پروری کر کے طبقاتی تفریق کو کم کیا جائے اور یہ کہ ایم کیو ایم والے اپنی محرومی کا بدلہ انڈیا سے لیں نہ کہ اس پاکستان سے بیر رکھیں جو ہم سب کی جائے پناہ ہے ۔ خدا کے لئے اسے اس کے دشمنوں کے ہاتھوں میں نہ دیں ۔ اور ہمدردی کی بات کرنے والے کا مذاق نہ اڑائیں ۔